قرآن کریم اور سنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۸ شمارہ: ۷

رجب المرجب: ۱۴۴۶ھ - فروری: ۲۰۲۵ء

قیمت فی شمارہ: ۷۰ روپے، زرِ سالانہ: ۸۰۰ روپے

مُدیر / مُدیر مسئول

مولانا سیّد سُلیمان یوسف بنوری

نائب مُدیر

مولانا سیّد احمد یوسف بنوری

مُدیر معاون

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات''، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465

فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

بیرونِ ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

یورپ اور امریکی ممالک، وغیرہ: 50 امریکی ڈالر

عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 40 امریکی ڈالر

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 7-397-0101900 برانچ کوڈ: 00816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

وضاحت

ماہنامہ ''بینات'' میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس: 92-21-34919531 +

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری **مطبع:** شفق پرنٹنگ پریس **طابع:** حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

مدارس کی رجسٹریشن اور سوسائٹی ایکٹ	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات و مضامین

مکاتیب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ	۸	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
اُمتِ اسلامیہ اور اہالیانِ پاکستان کی زبوں حالی اور اُس کا اصل علاج	۱۵	محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوریؒ
مدارس رجسٹریشن کا قضیہ ... حقائق وخدشات	۲۲	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہٗ
حدیث کے اسباق میں قراءتِ حدیث اور اُس کی اقسام	۲۸	ڈاکٹر محمد اکرم ندوی
فتنوں کے زمانہ میں ایمان کی اہمیت اور حفاظت کے طریقے	۳۳	مولانا حفظ الرحمٰن دہلوی
’’لا حول و لا قوۃ إلا باللّٰہ‘‘ کے فضائل	۴۱	مولانا عصمت اللہ نظامانی
درسِ نظامی اور دینی مدارس کے مقاصد وموضوع	۴۶	ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی
عربی زبان وادب کے اصولِ تدریس وضوابط (قسط:۱)	۵۱	مولانا ارشاد احمد سالارزئی

دار الإفتاء

۲۷ رجب کی تاریخ میں شبِ معراج کا ثبوت	۵۷	ادارہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ معراج جسمانی تھا یا روحانی؟	۵۸	ادارہ
شبِ براءت اور شبِ معراج اور طاق راتوں میں جاگنے کھانے پکانے، اور بیان کرنے کا حکم	۵۹	ادارہ

نقد و نظر

مولانا سمیع الحق شہیدؒ، تذکرہ وسوانح (تیسری جلد)	۶۳	ادارہ
سیاست کے اصول واحکام پر چالیس احادیث کا مجموعہ	۶۴	ادارہ

مدارس کی رجسٹریشن اور سوسائٹی ایکٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی

موجودہ حکومت نے چھبیسویں آئینی ترمیم لانے کے لیے خوب محنت کی، مشکل ترین سیاسی ماحول میں یہ ترمیمی بل پاس کرنا ایک طرح سے مشکل ترین عمل تھا، اس مشکل سے نکلنے کے لیے حکومت اور اپوزیشن کے وفود صبح شام علماء دین کی سیاسی قیادت کی دہلیز پر حاضر ہوتے رہے۔ سیاسی مخالفین کی اس آمد و رفت کے نتیجہ میں جہاں سیاسی دوریاں قربتوں میں بدلنے لگیں، وہاں ترمیمی بل کے حوالے سے حکومت اور اپوزیشن بھی علماء کی سیاسی قیادت کے سیاسی تجربات سے خوب خوب مستفید بھی ہوئے اور محظوظ بھی ہوئے۔ ہماری مذہبی سیاسی قیادت کے اس مفاہمتی کردار کی وجہ سے ترمیمی بل حکومت کی طرح اپوزیشن کے لیے بھی قابلِ قبول ٹھہرا اور اپوزیشن کی خاموش سیاسی تائید سے ہم کنار ہوا اور یہ ترمیمی بل اکتوبر ۲۰۲۴ء میں دونوں ایوانوں سے منظور ہوا۔ اس ترمیمی بل میں جمعیت علماء اسلام کے قائد اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سرپرستِ اعلیٰ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہٗ نے ترمیمی مسودے میں دینی مدارس کی رجسٹریشن کے دیرینہ مسئلے کو بھی باقاعدہ ترمیم کا حصہ بنایا اور دونوں ایوانوں نے مولانا کی مجوزہ ترمیم کو قبول کرتے ہوئے یہ منظور کیا کہ دینی مدارس کی رجسٹریشن ۱۸۶۰ء کے سوسائٹی ایکٹ کے تحت ہوگی۔

صدرِ پاکستان کے پاس دستخطوں کے لیے جب چھبیسویں ترمیم اور اس کے ساتھ یہ بل پہنچا، باقی پر

دستخط ہوگئے، لیکن مدارس کے بل پر ایک غلطی کی نشان دہی کی گئی، اسپیکر قومی اسمبلی نے اُسے ٹھیک کر کے اس کی درستی اور اس کے ساتھ آئین کا حوالہ دے کر ایوانِ صدر کو بھیج دیا۔ قائدِ جمعیت نے اعلان کر رکھا تھا کہ ۸/دسمبر ۲۰۲۴ء سے پہلے اس بل پر صدرِ پاکستان کے دستخط نہ ہوئے تو آٹھ دسمبر ''اسرائیل مردہ باد کانفرنس'' پشاور سے اسلام آباد کی طرف مارچ کا اعلان کیا جائے گا۔ اُدھر ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' اور ''اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دینیہ'' کے صدر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ نے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہٗ سے رابطہ کیا اور اصرار فرمایا کہ ۱۷/دسمبر ۲۰۲۴ء کو ''اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دینیہ'' کی باڈی کا اجلاس ہے، اس کے فیصلوں تک انتظار کیا جائے اور کسی راست اقدام کا فیصلہ اس کے اعلامیہ کی روشنی میں کیجئے گا۔

پاکستان کے تمام مکاتبِ فکر کے دینی مدارس و جامعات کی تنظیمات اور وفاقوں پر مشتمل ''اتحادِ تنظیماتِ مدارس پاکستان'' نے اپنی سپریم کونسل کے اجلاس مؤرخہ ۱۶/دسمبر ۲۰۲۴ء بروز بدھ، بعد نمازِ مغرب بمقام جامعہ عثمانیہ اسلام آباد میں مندرجہ ذیل قرارداد اتفاقِ رائے سے منظور کی:

''سوسائٹیز رجسٹریشن ایکٹ ۱۸۶۰ء کے تحت ترمیمی سوسائٹیز رجسٹریشن بل مؤرخہ ۲۰،۲۱/اکتوبر ۲۰۲۴ء کو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے منظور ہوا اور اسی روز قومی اسمبلی کے اسپیکر کے دستخط سے حتمی منظوری کے لیے ایوانِ صدر ارسال کر دیا گیا۔ مؤرخہ ۲۸/اکتوبر ۲۰۲۴ء کو صدر کی طرف سے ایک غلطی کی نشاندہی کی گئی، قومی اسمبلی کے اسپیکر نے آئین اور قانون کے تحت اسے قلمی غلطی گردانتے ہوئے اس کی تصحیح کر دی اور تصحیح شدہ ترمیمی بل مؤرخہ یکم نومبر ۲۰۲۴ء کو ایوانِ صدر ارسال کر دیا، جسے صدر نے حسبِ قاعدہ قبول بھی کر لیا، بعد ازاں صدر کی طرف سے دس دن کے اندر مذکورہ ترمیمی بل پر کوئی مزید اعتراض موصول نہیں ہوا، البتہ ۱۳/نومبر ۲۰۲۴ء کو نئے اعتراضات لگا دیے گئے جو کہ میعاد گزرنے کی وجہ سے غیر مؤثر تھے، نیز ایک کے بعد دوبارہ اعتراض لگایا بھی نہیں جا سکتا تھا، لہٰذا یہ بل اب قانونی شکل اختیار کر چکا ہے۔ حوالے کے لیے ''سپریم کورٹ پریکٹس اینڈ پروسیجر ایکٹ'' کی نظیر موجود ہے۔ نیز اسپیکر نے علی الاعلان اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ان کے نزدیک یہ باقاعدہ ایکٹ بن چکا ہے اور انہیں صرف ایک ہی اعتراض موصول ہوا تھا اور دوسرا اعتراض آج تک اُنہیں نہیں ملا۔ پس ہمارا مطالبہ ہے کہ قانون کے مطابق بلا تاخیر اس کا گزٹ نوٹیفیکیشن جاری کیا جائے، تاکہ فوری طور پر اس پر عمل درآمد شروع ہو۔''

گورنمنٹ نے ایک اعتراض یہ بھی کیا کہ مدارس تعلیمی ادارے ہیں تو ہم ان کو وزارتِ تعلیم میں

رجسٹر کرنا چاہتے ہیں، جب کہ مدارس سوسائٹی ایکٹ کے ساتھ رجسٹر ہونا چاہتے ہیں۔ اس اعتراض کا جواب اور موجودہ تمام صورت حال کا جواب اتحادِ مدارسِ دینیہ کے صدر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے اس اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے دیا ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر بطور مضمون اس شمارہ میں شاملِ اشاعت ہے۔

سوسائٹی ایکٹ کے تحت صرف مدارس ہی نہیں، بلکہ پاکستان میں بڑے بڑے عصری تعلیمی ادارے بھی اسی ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہیں: ۱- سندھ مدرسۃ الاسلام، ۲- دی سٹی اسکول، ۳- بیکن ہاؤس، ۴- غزالی ایجوکیشن ٹرسٹ، ۵- علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۶- الخزمت فاؤنڈیشن اسکولز، ۷- پاکستان ایجوکیشن سوسائٹی۔ یہ سب تعلیمی ادارے اگر سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹر ہوکر تعلیمی سرگرمیاں جاری رکھ سکتے ہیں تو پھر وفاق المدارس کے تعلیمی اداروں سے کس کو کس چیز کا خوف ہے؟ اس کے علاوہ کئی ادارے اگر چہ تعلیمی تو نہیں، لیکن یہ بھی سوسائٹیز ایکٹ کے تحت ہی رجسٹرڈ ہیں، مثلاً: ۱- ایدھی فاؤنڈیشن، ۲- چھیپا ویلفیئر ایسوسی ایشن، ۳- اُخوت فاؤنڈیشن، ۴- انجمن حمایتِ اسلام، ۵- پاک کریسنٹ سوسائٹی۔ یہ تمام ادارے بھی سوسائٹیز ایکٹ کے تحت آزادانہ کام کررہے ہیں، اگر یہ معاشرے کی بہتری کا کام کررہے ہیں تو مدارس بھی تو معاشرے کی اصلاح کا سب سے بنیادی اور ضروری کام کررہے ہیں۔ اگر مدارس وزارتِ تعلیم کے تحت رجسٹر ہوتے ہیں تو اس کے ممکنہ نقصانات میں سے چند ایک یہ معلوم ہوتے ہیں:

①: یہ کہ سرکار کی مدد لے کر مدارس کی آزادی سلب ہوجائے گی۔

②: یہ کہ نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم دونوں میں مدارس کی خود مختاری ختم ہوجائے گی۔ ایک اسکول اور کالج کی طرح سرکار کا نظام اور نصاب اپنانا پڑے گا۔

③: یہ کہ جن اسٹیک ہولڈرز نے پاکستان کے عصری نظامِ تعلیم کو داؤ پر لگا دیا ہے، وہی لوگ مدارس کے نظام کا کباڑا کردیں گے۔

④: یہ کہ مدارس کو رجسٹریشن رینیول اور آڈٹ کے ان مشکل ترین مراحل کا سامنا کرنا ہوگا، جس کا سوچ بھی نہیں سکتے۔

⑤: یہ کہ آپ مدرسے کے لیے کسی قسم کی فنڈنگ اور ذرائع آمدن پیدا کرنے کے مجاز نہیں ہوں گے، جیسا کہ ایک اسکول اور کالج والے چندہ نہیں کرسکتے، مدرسوں کا بھی یہی حشر ہوگا۔

⑥: یہ کہ مدرسے کا کردار محدود ہوگا، اس طرح کہ آپ صرف تعلیمی سرگرمی تک محدود رہیں گے، یہاں

تک کہ آپ کے مدرسے کی مسجد بھی مدرسے کے دائرہ اختیار میں نہیں آسکے گی۔

۷: یہ کہ کسی بھی قومی ایشو پہ موقف دینے میں مدرسہ کا دارالافتاء آزاد نہیں ہوگا، جو سرکار کا مؤقف ہوگا وہی مدرسے کو اپنانا پڑے گا۔ مدارس جب کہ سول سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہیں تو وہ اپنے نصابِ تعلیم اور نظامِ تعلیم میں آزاد ہیں اور یہ کہ مدارس خود مختار ہیں، تمام تعلیمی، تربیتی، تدریسی اور امتحانی ضابطے اپنے ماحول کے مطابق طے کرتے ہیں۔ صرف وفاق المدارس کے امتحانی نظام کی کوئی نظیر دنیا بھر میں موجود نہیں۔ اسی طرح یہ کہ مدارس اپنے ذرائع آمدن پیدا کرنے میں آزاد ہیں اور دستیاب وسائل کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ ٹرسٹ، مسجد، یتیم خانہ، لنگر، ڈسپنسری، ناداروں اور بیواؤں کی کفالت، قدرتی آفات میں متأثرین کی بحالی، ایمبولینس سروس کی فراہمی جیسی درجنوں سرگرمیاں آسانی کے ساتھ جاری رکھے ہوئے ہیں، جبکہ مدرسہ اگر اسکول کالج کی طرح وزارتِ تعلیم کے تحت چلایا جاتا ہے تو وزارتِ تعلیم کے تحت ان جیسی سرگرمیوں کا کوئی امکان نہیں، اسی طرح قومی اور ملی ایشوز پر اہلِ مدارس کھل کر اپنا موقف دے سکتے ہیں اور دے رہے ہیں اور مسلم قوم وعوام کی راہنمائی کرنے میں آزاد ہیں۔

مزید یہ کہ تعلیمی دنیا میں ہماری عصری جامعات کی کارکردگی کسی ترجیح کی حامل نہیں ہے، جبکہ ہمارے ملک کے کئی دینی مدارس اسلامی دنیا کی اولین ترجیحات میں شامل ہیں۔ باہر سے لوگ دینی علوم کے لیے پاکستان آتے ہیں، جبکہ پاکستانی شہری عصری علوم کے لیے دنیا کے ہر کونے یہاں تک کہ افغانستان میں بھی گئے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف گورنمنٹ کی دوزخی پالیسی کا اس سے اندازہ لگائیں کہ سرکاری اسکولوں کو پرائیویٹ کیا جا رہا ہے، جبکہ پرائیویٹ مدارس کو سرکاری تحویل میں لینے کے ناکام جتن کیے جا رہے ہیں اور اصلاحات کی باتیں ہو رہی ہیں، کیا یہ کھلی منافقت نہیں؟

ہمارے ملک کا تعلیمی نظام بھی عجیب ہے۔ ایک جانب اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں ہیں جو سرکاری، نیم سرکاری، نجی اور پھر طبقاتی تقسیم پر مشتمل ہیں۔ دوسری جانب دینی مدارس ہیں جن کو عموماً اس نظام سے باہر ایک ''غیر'' کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ بعض حکومتوں نے چند دینی مدارس کو اپنی تحویل میں لیا، جیسے ریاستِ سوات میں گورنمنٹ دارالعلوم الاسلامیہ سیدوشریف، پھر ان میں بعض کو یونیورسٹی میں تبدیل بھی کر لیا، جیسے جامعہ اسلامیہ عباسیہ بہاولپور، سندھ مدرسۃ الاسلام وغیرہ، ان کی حالت دیکھ کر دینی مدارس نے بجا طور پر یہ پوزیشن لی کہ ہم آزاد رہیں گے اور آزادی کے ساتھ کام کریں گے۔ گزشتہ حکومت کے دور میں یکساں نصابِ تعلیم کے لیے بھی کوششیں کی گئیں، لیکن اس کی زیادہ مزاحمت دینی مدارس کے بجائے

اشرافیہ کے اسکولوں نے کی۔

ذرائع ابلاغ میں صدر کی طرف سے یہ اعتراض نقل کیا جارہا ہے کہ مدارس کی رجسٹریشن صوبائی معاملہ ہے، اس لیے اس پر قانون سازی صوبوں کو کرنا چاہیے۔ اس عذر میں وزن نہیں ہے، کیونکہ کوئی ایسا قانون نہیں ہے جو اُسے صوبائی معاملہ بناتا ہے۔ یہ اعتراض تو مدارس سے زیادہ یونیورسٹیوں پر عائد ہوتا ہے جن پر ابھی تک ہایئر ایجوکیشن کمیشن کو مسلط کیا گیا ہے، حالانکہ اٹھارہویں ترمیم کے بعد انہیں صوبوں کے تحت ہونا چاہیے تھا۔ دوسرا اعتراض یہ نقل کیا گیا ہے کہ یہ ترامیم اسلام آباد میں نافذ قانونِ وقف سے متصادم ہیں۔ یہ عذر بھی وزن نہیں رکھتا، کیونکہ قوانین کی تعبیر وتشریح عدالت کا کام ہے۔ مقدمہ اصل میں تعلیمی اداروں کی خودمختاری کا ہے جو یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں کو لڑنا چاہیے تھا، لیکن ان کے ذمے کا قرض اہلِ مدارس تنہا ادا کررہے ہیں۔

اب تک کی صورت حال یہ ہے کہ ۲۰ر دسمبر ۲۰۲۴ء کو جب وزیراعظم میاں شہباز شریف کی خواہش پر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے وزیراعظم ہاؤس میں اپنے وفد کے ہمراہ اُن سے ملاقات کی، اس کے بعد کہا گیا کہ وزیراعظم صاحب نے وزارتِ قانون کو ہدایات دے دی ہیں کہ اس معاملے کو آئین اور قانون کے مطابق حل کیا جائے اور ہمارے حلقوں نے اس اعلامیہ کو خوش آئند قرار دیا۔ اب یہ خبر آئی ہے کہ صدرِ پاکستان اس مقصد کے لیے ایک آرڈیننس جاری کریں گے اور اس کے بعد سابقہ ایکٹ بننے والے ڈرافٹ میں پارلیمنٹ سے ایسی ترامیم کرائی جائیں گی جن کی بدولت نہ صرف یہ کہ مدارس کے خدشات دور ہوسکیں گے، بلکہ مدارس کو اپنے تعلیمی وانتظامی کردار کے حوالہ سے آئینی تحفظ بھی میسر آئے گا اور یہ کہ جو مدارس وزارتِ تعلیم کے ساتھ منسلک ہونا چاہتے ہیں، وہ وزارتِ تعلیم کے ساتھ منسلک ہوجائیں اور جو سوسائٹی ایکٹ کے تحت منسلک ہونا چاہیں وہ اس کے ساتھ منسلک ہوجائیں، گویا ہر مدرسہ اور ادارہ بااختیار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ خیر اور بہتری کا معاملہ فرمائے، آمین یا رب العالمین!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ أجمعین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

مکاتیب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

باسمه العظيم

وحقِّكم ما لذّ لي غيرُ ذكركم
وذكرُ سواكم في فمي قطّ لا يحلو
فمن شاهدت عيناه نورَ جمالكم
يموت اشتياقًا نحوكم قطّ لا يسلو (۱)

مخدومُنا المُعظّم، دامت بركاتكم ماطرةً علينا إلى يوم التّناد!

بعد سلامِ مسنون عرض بہ لَبِ ادب ہوں کہ والا نامہ عنبر شمامہ مدتِ مدید کے بعد مل کر باعثِ صد امتنان ومُوجبِ سکون واطمینان بن کر آنکھوں سے لگایا۔ الحمدللہ کہ حرمین سے واپسی ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کے وجود کو باعثِ رحمتِ عالم بنائے، اور میرے جیسے نااہلوں کے لیے باعثِ ہدایت بنائے۔ مجھے تو آپ کی آمد کی خبر مولانا ایوب جان صاحب (بنوری) نے سنائی، جبکہ وہ زلزلہ متاثرین کے معاینہ کے لیے تشریف لائے تھے کہ آپ پشاور (میں) ایک رات گزار کر تشریف لے گئے، واللہ! مجھے قطعاً آپ کی آمد کی خبر بجز اس کے اور نہیں ملی۔ میرا ارادہ تو اوائلِ شوال میں تھا، آپ کے سفرِ انگلینڈ کی اطلاع ملنے پر ارادہ ملتوی ہوا، پھر سفرِ حج کی

(۱) ترجمہ: آپ کے حق کی قسم! آپ کے تذکرے کے علاوہ میرے لیے کوئی شے لذیذ نہیں، اور آپ کے علاوہ کسی کا تذکرہ میرے دہن میں کبھی شیریں نہیں ہوتا۔ جس کی آنکھوں نے آپ کے جمال کی تابنا کی کا مشاہدہ کیا ہو، وہ آپ کے اشتیاق میں مرجائے گا، کبھی تسلی نہ پائے گا۔

اطلاع آپ کے لیے آپ کے تشریف لے جانے کے بعد ملی، آمد کی اطلاع بھی صرف والا نامہ ہی سے ملی، اب چنیوٹ کانفرنس کی تاریخ ۲۹، ۳۰، یہ جنوری ہے یا اسلامی ہے؟ یہ اشکال بظاہر رہ جاتا ہے، اگرچہ تحریر میں سفرِ حج کی آمد میں جنوری کی تصریح اس کا قرینہ ہے کہ غالباً یہ تاریخیں جنوری کی ہیں، مگر باعثِ تشویش ضرور ہے، بہر تقدیر میرا ارادہ محرم کے اختتام پر حاضری کا ہے، یہ ہفتہ سہ ماہی میں تعطیل کا ہوگا، اگر تقدیرِ خداوندی سے چنیوٹ تشریف آوری پر پشاور کا پروگرام بنا تو ازراہِ کرم مطلع فرمائیں تو میں پشاور حاضر ہوجاؤں گا:

لعلّ إلهي أن يّمنّ بجمعنا
فقد طال في سجن الفراق عَنائي (۱)

واللہ! یہاں نہ کوئی انیس نہ کوئی مسافر، وحشت کی زندگی گزر رہی ہے، مدرسہ میں ایک سوستر طلبہ ہیں، بیس کے قریب دورہ حدیث کے شرکاء ہیں، گزشتہ سال تک مدرّسین کی تنخواہیں مدّ زکات سے دی جاتی رہیں، جس کی ہمیں قطعاً خبر نہ تھی۔ اس سال الحمدللہ سات آٹھ ماہ کا انتظام اللہ تعالیٰ نے کردیا ہے، آگے اللہ مالک ہے، میں نے تو ایسا ہی ٹھان لیا ہے، جیسے ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ: ''غیر زکات سے مدّ زکات کا قرضہ پورا نہ ہو، جب تک میں تنخواہ نہ لوں گا، اس پر بھی نہ ہوا تو اساتذہ سے صاف کہہ دوں گا، جس کا جی چاہے لوجہ اللہ پڑھائے، ورنہ تشریف لے جائے، میں نے کوئی ٹھیکہ نہیں لیا، اللہ کا دین ہے، حفاظت کا ذمہ اس نے خود لیا ہے۔'' بس یہی راستہ میرا بھی ہوگا، اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے، ہر نشیب و فراز میں ہمارے لیے آپ کا نمونۂ عمل خدا کی قسم! ایک عظیم راہنما ہے۔ ایک مرتبہ مفتی شفیع صاحب نے فرمایا تھا کہ: ''ہم خود تو انسان نہ بن سکے، مگر انسانوں کو دیکھا ہے، انسان اور بیل میں فرق کرسکتے ہیں۔'' سچ کہا ہے، جس نے بھی کہا ہے:

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا!

یہاں تو علماء کا یہ عالم ہے کہ ہر قدم پر زکات، صدقۃ الفطر، خیرات، صدقات کا حصول، اور عوام سے رابطہ کا مقصد انہیں چیزوں کا وصول کرنا۔ میں واللہ! زکات، صدقاتِ واجبہ سے، بلکہ نکاح کے معاوضہ اور خیرات خوری سے بھی احتراز کرتا رہا۔ اس سولہ مہینے کے عرصہ میں مشکل سے لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ مولوی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ نکاح یا کوئی دوسرا کارِ خیر بغیر معاوضہ انجام دے، اس لیے اب لوگ مدرسہ کی طرف اور ہماری مسجد کی طرف متوجہ ہوئے، دوسرے مقامات کے لوگ بھی اختلافی مسائل میں یہاں سے رجوع کرنے لگے، اللہ تعالیٰ شہرت پسندی کے زہر سے بچائے۔ بہرحال فضا مولویوں کے ہاتھ سے بے حد

(۱) ترجمہ: شاید میرا اللہ ہمیں یکجا کر کے احسان کرے گا، کیونکہ فراق کی قید میں میری تکان طویل ہوگئی ہے۔

مکدّر رہے، خصوصاً جب مدرسہ کو ہم نے تالا لگا دیا کہ تنخواہوں میں موظّف اساتذہ کو زکات دینے سے زکات ادا نہیں ہوتی، اور یہ مسئلہ سارے سوات میں پھیل گیا، اور لوگوں نے ان مولویوں پر لعن طعن شروع کر دیا، تو اس کے بعد میرے دشمن وحُسّاد بن گئے۔ اب صحیح لوگ ایسے مدرسوں کو زکات نہیں دیتے، جس میں زکات مدرّسین کو تنخواہوں میں دی جاتی ہے، وہ لوگ ان پر سخت بدظن ہو گئے۔ بہرحال صوبۂ سرحد میں اکثر مدارس کا حال یہی ہے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ ہم نے مدِّ زکات کی رقم سے طلبہ کے لیے دس روپیہ ماہوار مقرر کر دیا ہے، جب تک امکان ہوگا یہ سلسلہ رہے گا، استطاعت نہ ہوگی تو اعلان کر دیں گے کہ کچھ نہیں رہا۔ کسی کا قرضہ تو نہیں کہ خواہ مخواہ عوام کی خوشامد کر کے وصول کیا جائے اور طلبہ کو دیا جائے، اس لیے قلب پر کوئی بار محسوس نہیں ہوتا۔ قصہ لمبا چوڑا ہو ہی گیا، بہت روز کے بعد تخاطب کا موقع جو ملا، معاف فرمائیں!

والسلام مسک الختام
فضل محمد
مدرسہ مظہر العلوم، مینگورہ، سوات
۷ ؍محرم یوم الاثنین

پس نوشت: قبلہ آغا جی (مولانا محمد زکریا بنوری) مدّظلہم کی خدمتِ عالیہ میں سلام قبول ہو۔
برادرم محمد صاحب (بنوری) ہدیۂ تسلیم قبول فرمائیں۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ

۲۳ ؍شوال سنہ ۱۳۹۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی الطاف، وگرامی افضال، محترم المقام، زادکم اللہ عزًّا و سیادةً!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

نامہ مکارم نے ممنون فرمایا، اور حسبِ معمول مسرور! جزاکم اللہ خیرا! ''اکبر دار العلوم'' سے انکار فرمایا، اگر استخارہ فرما دیتے تو شاید کسی قدر راحت کا سامان مل جاتا، اللہ تعالیٰ وہ کرے جس میں آپ کے سکونِ قلبی اور ظاہری و باطنی عافیت کا ذریعہ ہو۔

میں یہاں سے وہاں (سعودی عرب) کے ۲۵ ؍رمضان کو روانہ ہوا تھا، رات عند العشاء پہنچا تھا، رات اور ۲۶ ؍کا دن الی العصر برائے راحت گزارا، تازہ دم بعد العصر پہنچا، الحمدللہ کہ ۲۷ ؍شب کا عمرہ

نصیب ہوا، طوافِ عمرہ قبیل المغرب کیا، اور سعی ۲۷ کو بعد صلاۃ الفجر کی۔ پوری رات بحالتِ احرام گزر گئی، حاجی عبداللہ ساتھ تھے بعد میں، مدتوں کے بعد اس آن وشان سے لیلۃ القدر کا جلوہ ہوا تھا، جس میں ملائکہ کرام کے نزول کے علاوہ انبیاء عظام علیہم الصلاۃ والسلام کا بھی ورود ہو رہا تھا، والحمد للہ علٰی ذٰلك!

وہیں اقامت رہی، عید مکہ میں کی، عید کے دوسرے روز مدینہ منورہ پہنچے، پانچ دن قیام کیا، واپسی جدہ سے ہوئی، یکم اکتوبر کو کراچی روانگی ہوئی، کل ایک عشرہ ہوا۔ دو تین یوم کے بعد برائے سکون اور ایک مقالہ کی تحریر کے لیے سکھر گیا، اسی روز رات کو حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا وصال ہوگیا، صبح اس روز سکھر سے ہوائی جہاز (کے بارے میں معلومات لیں) معلوم ہوا کہ ''موئن جودڑو'' (لاڑکانہ) سے ہوائی جہاز ہے، ٹیلیفون پر کوشش کی، امیدواروں میں نام لکھا گیا، وہاں سکھر سے ۸۵ میل تھا، ۲۶۰ میں ٹیکسی کی، لیکن ۵ گھنٹہ سے زیادہ سفر کر کے بے نیل ومرام واپس ہوا، جگہ نہ مل سکی۔

ریاض میں ''مؤتمر الفقه الإسلامي'' کی دعوت ہے، اصرار وتقاضا ہے، استخارہ کر چکا ہوں، اگر خیر ہوا تو ان شاء اللہ تعالیٰ جانا ہوگا، ورنہ نہیں۔ ابھی صحیح بخاری یوم الاثنین شروع کرنے والا ہوں، یوم الاربعاء دار العلوم والوں نے شروع کرنے کی خواہش کی کہ حضرت مفتی (محمد شفیع) صاحبؒ کی نیابت ہوجائے، وہ شروع کرایا کرتے تھے۔ باقی خیریت ہے، حالات غنیمت ہیں، بقیہ تفصیلات کی ہمت نہیں۔ اپنی خیریت اور مدرسہ کے احوال سے مطلع فرماتے رہا کریں۔

محمد سلّمہ نے ہدایہ ثانی، نور الانوار وغیرہ لی ہیں۔ شیخ الحدیث نے (محمد بنوری پر) پابندی لگا رکھی ہے کہ بھاجی، لغاری کے ساتھ کبھی بھی ان کی موٹر میں نہ جایا کریں، کبھی ضرورت پیش آئے تو ٹیکسی سے جایا کریں، کسی کی سفارش وغیرہ کے لیے نہ جائیں، ماہانہ رپورٹ تعلیمی ان کو بھجوایا کریں کہ کیا پڑھا ہے؟ اور کتنی حاضریاں تھیں؟ وغیرہ، وغیرہ۔

والسلام

محمد یوسف بنوری عفا عنہ

عربی مکتوب از حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ

بسم الله الرحمٰن الرحيم

مولانا الشيخ محترم المقام، صاحب الفضل والكرم، مولانا فضل محمد عافاه الله وشفاه، ووفقهٗ لما يحبهٗ ويرضاه، آمين!

تحيةً وسلامًا وأشواقًا وهُيامًا، وبعد:

خطابُكم الكريم وقصيدتُكم العصماء كل ذٰلك أصبح سكونًا للقلب وتسليةً للفؤاد، وإن كان أشجاني مرضكم، جعله الله خيرَ وسيلةٍ لرفع الدرجات.

كنتُ رأيتُ في المنام بجدّة ٤ من الشوال سنة ١٣٩٤هـ عند رجوعي من المدينة أني أُعطيتُ لوحًا مُدوّرًا عليه وَشْيٌ دقيقٌ فائقٌ في غاية الحسن والجمال من فضة، كأنهٗ صِلة وعطية من الله، ومكتوب عليه قوله: ''إنهٗ من سليمان وإنهٗ بسم الله الرحمٰن الرحيم'' بخطّ جميل طُغْرائي، ففهمتُ في الرؤيا أنه بشارة بمولود وإشارة إلىٰ أن أسميه بسليمان. انتهت الرؤيا. وقد تواطئت الرؤى بولادتهٖ قبل أيام من بناتي وزوجتي، وبشرى زوجتي المرحومة أم محمد رحمها الله، وبشارة جدّي السيد آدم بن إسماعيل قدس الله سرهٗ، فكانت تؤكّد وتصدّق تلك الرؤيا والبشرى، ولولا تلك الرؤيا لسمّيتُه إسماعيل عملاً بالآية الكريمة: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ'' فنرجو دعواتكم الصالحة لأن يرزقهٗ حياة طيبة تقر به العيون، وأن يجعلهٗ عالما صالحا وعارفا كاملا.

والحمد لله يوم سابع الولادة الخميسَ الغابرَ قمتُ بالعقيقة المسنونة والخِتان الذي هو من سنن الأنبياء ومن سنن الفطرة بغاية العناية، وقد عُوفِيَ والحمدلله وهو في السند في ''سكّر''، وسيأتي مع الوالدة والجدّة يوم الأحد القادم ٢١ نوفمبر إلى كراتشي.

هٰذا، وأنتم على علمٍ أني لا أزال أتفكر وأجتهد لإقامتكم في كراتشي بأية صورة، وقد حالتْ مسألةُ السَّكَن دون كل أملٍ مرجوٍّ، وقد بدأنا في مساكن الطلبة الجديدة الجنوبية لأجل بناء البيت، ولكن ضاع السعي وخاب الأمل، والآن مسجد ''بريتو رود'' الذي كان الخطيب فيه القارئ يوسف الهزاروي، وقد سافر إلى ''ليبيا'' ويبحثون عن الإمام، ومع المسجد بيت حاوٍ على ثلاث غُرَفٍ مع المراوح والغاز، وهو جدٌّ موزونٍ للسكن، وهو قريب جداً من المدرسة، ويريدون إماماً يكون صاحبَ عائلةٍ وأن يكون كَهْلاً، وأن يجتنب عن خضاب اللحية الأسود، وأن يَعِظَ الناس بعد الجمعة على المنبر، والشروطُ الأربعة متوفرة في فضيلتكم، فإن رضيتم أتكلم مع أرباب التولي والسلطة، فالرجاء أن تخبروني للموافقة تلفونياً بقول: نعم، ثم أن تدبّروا للسفر في عطلة الأضحى، وأن تصلوا قبل العيد، هذا رجائي أرجوكم أن لا تخيبوني.

والسلام عليكم ورحمة الله

مخلصكم محمد يوسف البنوري عفي عنه

ملاحظة: كتبتُ الكتاب ونسيتُ البعث إلى البريد، وربما يكون ذٰلك لما حصل من التردد في الموضوع، فسمعتُ أن هناك شيئًا من الاختلاف في المعتقد بين المأمومين، وبالجملة الرجاء الاستخارة، ثم فَصْلُ الأمر، ولا أريد أن أكون سبباً لتشويش خاطركم الكريم. والسلام البنوري.

والمولوي عبدالحنان في غاية الإلحاح والإصرار، ويُثْنِيْ على السكن ويحثني على الطلب، وأسأل الله الخير كلهٗ لكم.

عربی مکتوب کا اُردو ترجمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا، شیخ محترم مقام، صاحبِ فضل وکرم، مولانا فضل محمد صاحب!

اللہ تعالیٰ آنجناب کو عافیت وصحت اور اپنی مرضیات کی توفیق سے نوازے، آمین!

تحیہ وسلام اور قلبی شوق ومودّت!

بعد سلام، آپ کا والا نامہ اور محفوظ قصیدہ، قلبی سکون اور دلی تسلّی کا سبب بنا، اگرچہ آپ کی بیماری (کی خبر) نے مجھے رنجیدہ کردیا، اللہ تعالیٰ اس مرض کو رفعِ درجات کا بہترین وسیلہ بنائے۔

مدینہ منورہ سے واپسی پر ۴ شوال سنہ ۱۳۹۴ھ کو جدہ میں، میں نے خواب دیکھا تھا کہ مجھے ایک گول سی تختی/ پلیٹ دی گئی، جس پر چاندی کے باریک، اعلیٰ اور نہایت خوب صورت نقش ونگار تھے، اور اس پر خوب صورت طغرائی خط کی صورت میں یہ جملہ لکھا تھا: ''اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' (وہ سلیمان کی طرف سے ہے، اور اس میں یہ [مضمون)] ہے: شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان، نہایت رحم والا ہے۔) خواب میں ہی میں یہ سمجھا کہ یہ نومولود کی خوش خبری ہے، اور اشارہ ہے کہ میں اس کا نام سلیمان رکھوں گا۔'' خواب مکمل ہوا۔

اتفاق سے کچھ ایام قبل میری بیٹیوں اور زوجہ نے بھی بچے کی ولادت، میری مرحومہ زوجہ اور میرے جدّ امجد سید آدم بن اسماعیل قدّس اللہُ سرّہ کی جانب سے (ولادت کی) بشارتوں کے یکساں خواب دیکھے ہیں۔ یہ تمام خواب (میرے) اس خواب اور بشارت کی تاکید وتصدیق کرتے ہیں۔ اگر یہ خواب نہ ہوتے تو میں اس آیتِ کریمہ پر عمل کرتے ہوئے بچے کا نام اسماعیل رکھتا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ

وَاِسْحٰقَ ’’(تمام حمد (ثناء) خدا کے لیے (سزاوار) ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق (دو بیٹے) عطا فرمائے۔) آپ سے دعواتِ صالحہ کی اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بچے کو پاکیزہ زندگی بخشے، جس سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے، اور اُسے صالح عالم اور کامل عارف بنائے۔

الحمد للہ ولادت کے ساتویں روز گزشتہ جمعرات کے دن عقیقہ مسنونہ کیا اور ختنہ کا عمل کیا، جو انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت اور فطری عمل ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ بچہ عافیت سے ہے، اور سکھر (سندھ) میں ہے، آئندہ ہفتہ ۲۱ رنومبر کو (اپنی) والدہ اور نانی کے ساتھ کراچی آئے گا۔

آپ کے علم میں ہے کہ میں مستقل فکرمند ہوں اور کسی صورت بھی کراچی میں آپ کے قیام کے لیے کوشاں ہوں، لیکن رہائش کا مسئلہ ہر اُمید کے درمیان حائل ہوجاتا ہے، ہم طلبہ کے جنوبی دار الاقامہ میں گھر کی تعمیر شروع کر چکے تھے، لیکن یہ کوشش ضائع اور اُمید نامراد ہوئی۔ ’’بریٹو روڈ‘‘ کی مسجد جس میں قاری یوسف ہزاروی خطیب تھے، اور وہ ’’لیبیا‘‘ کے سفر پر ہیں، (اہلِ مسجد) امام کی تلاش میں ہیں، مسجد کے ساتھ تین کمروں پر مشتمل گھر بھی ہے، پنکھے اور گیس بھی مہیا ہے، رہائش کے لیے بہت موزوں ہے، اور (یہ مسجد) مدرسہ کے انتہائی قریب ہے۔ وہ لوگ شادی شدہ، اور ادھیڑ عمر امام چاہتے ہیں، جو کالے خضاب سے اجتناب کرتا ہو، اور جمعہ کے بعد منبر پر لوگوں کو وعظ کہہ سکتا ہو۔ آنجناب میں یہ چاروں شرطیں موجود ہیں، اگر آپ راضی ہوں تو (مسجد کے) متولی حضرات سے بات چیت کروں۔ اُمید ہے کہ آپ ٹیلی فون پر ’’ہاں‘‘ کہتے ہوئے موافقت کی اطلاع دیں گے، پھر آپ عید الاضحیٰ کی تعطیلات میں سفر کا نظم بنالیں گے، اور عید سے قبل ہی (کراچی) پہنچ جائیں گے۔ یہ میری اُمید ہے، اور توقع ہے کہ آپ مجھے (اس امید میں) نامراد نہ ہونے دیں گے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا مُخلص محمد یوسف بنوری عفی عنہ

نوٹ: میں یہ خط لکھ چکا تھا، لیکن ڈاک کے لیے بھیجنا بھول گیا، شاید اس معاملے میں تردّد کی وجہ سے ایسا ہوا۔ اس دوران سننے میں آیا کہ (اس مسجد کے) مقتدیوں کے درمیان عقیدے کا کچھ اختلاف ہے۔ بہرکیف! اُمید ہے کہ استخارہ کے بعد اس معاملہ کا فیصلہ کریں گے؛ میں آپ کے قلبِ کریم کی تشویش کا سبب بننا نہیں چاہتا۔ والسلام البنوری

پس نوشت: مولوی عبد الحنان حد درجہ اِلحاح واصرار کر رہے ہیں، وہ رہائشی گھر کی تعریف کر رہے، اور (آپ سے) مطالبہ پر مجھے اُبھار رہے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے ہر طرح کی خیر کے لیے دعا گو ہوں۔

اُمتِ اسلامیہ اور اہالیانِ پاکستان کی زبوں حالی

اور اُس کا اصل علاج

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

''اس وقت اُمتِ مسلمہ اور پاکستانی قوم جس زبوں حالی اور کرب و بلا سے گزر رہی ہے، اس کا شکوہ تو ہر طرف سنائی دیتا ہے، مگر اس کے اسباب اور تدارک کی تدابیر کی طرف دھیان دینے والے لوگ ہیں نہیں یا گوشۂ خموشی کا حصہ ہیں۔ اس وقت اُمتِ مسلمہ بالعموم اور اہالیانِ پاکستان جن اندرونی اور بیرونی مسائل کا شکار ہیں، مثلاً: معاشی بحران، دہشت گردی، قومیت وعصبیت، گروہی مفادات، سیاسی انتشار، بے دینی اور فحاشی، مال ودولت کی لامتناہی حرص اور ہوس وغیرہ، ان سب مسائل کے تدارک کے لیے آج سے تقریباً ۵۲ سال قبل محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحریر میں ایک لائحہ عمل پیش کیا تھا، جس کی روشنی میں اُمتِ مسلمہ اور پاکستانی قوم کی اَبتری' بہتری اور زبوں حالی' خوش حالی میں بدل سکتی ہے۔ درج ذیل تحریر ہماری ایسی راہنمائی پر مشتمل ہے، گویا کہ وہ آج کے حالات کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے، اس لیے اُمت، زعماءِ اُمت، بلکہ خواص وعوام کے فائدہ عامہ کے لیے قندِ مکرر کے طور پر شاملِ اشاعت کیا جارہا ہے۔'' (ادارہ)

تمام اُمتِ اسلامیہ کا شیرازہ منتشر ہوچکا ہے، ہر جگہ اضطراب ہی اضطراب ہے۔ نہ حکمرانوں کو چین نصیب ہے نہ محکوم آرام کی نیند سو سکتے ہیں، مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ کوئی بھی صحیح علاج نہیں سوچ رہا ہے۔ جو زہر ہے اس کو تریاق سمجھ لیا گیا ہے، جو تباہی وبربادی کا راستہ ہے اس کو نجات کا راستہ سمجھا جارہا ہے، جو تدبیریں شقاوت کو دعوت دے رہی ہیں، انہی کو ذریعۂ سعادت خیال کیا جارہا ہے۔ ماسکو یا واشنگٹن تمام جہنم کے راستے ہیں۔ کوئی بھی سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کا راستہ جو سراسر نجات اور سعادت کا اعلیٰ ترین وسیلہ ہے،

نہیں سوچ رہا ہے۔ جو صراطِ مستقیم جنت کو جارہا ہے، اس سے بھٹک گئے ہیں۔ نہ معلوم کہ اربابِ عقول کی عقلیں کہاں چلی گئیں؟ اربابِ فکر کیوں فکر سے عاری ہوگئے؟ آخر تاریخ کی یہ عبرتیں کس لیے ہیں؟ حقائق سے کیوں چشم پوشی کی جارہی ہے؟ خاکم بدہن ایسا تو نہیں کہ تکوینی طور پر اُمت پر تباہی و بربادی کی مہر لگ چکی ہے؟ اس امت کا زوال مقرر ہو چکا ہے؟ عروج کا دور ختم ہوگیا ہے؟ حق تعالیٰ نے تو اسلام اور صرف اسلام کی نعمت کو آخری نعمت فرمایا تھا اور یہ صاف اور صریح اعلان ہو چکا تھا کہ اس کے سوا کوئی رشتہ ورابطہ، کوئی دین اور مسلک قابلِ قبول نہ ہوگا۔ نجات اسی دین اور اسلام میں ہے اور اسی دینی رابطہ میں فلاح وسعادت ہے، باقی تمام راستے شقاوت وہلاکت اور تباہی وبربادی کے راستے ہیں۔ اور یہ ابدی اعلان آج بھی حق تعالیٰ کے آخری پیغام میں کیا جارہا ہے:

’’وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ‘‘

ترجمہ: ’’اور جو کوئی چاہے سوا اسلام کی حکم برداری کے اور دین، سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔‘‘

(ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ)

اور سورۂ عصر میں تاریخِ عالم کو گواہ بنا کر پیش کیا گیا ہے کہ جن لوگوں میں ایمان باللہ، عملِ صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر، یہ چار باتیں نہیں ہوں گی، ان کا انجام تباہی وبربادی ہے۔ کیا اسی اسلام سے روگردانی کی اتنی بڑی سزا پاکستان اور پاکستانیوں کو نہیں ملی کہ چند لمحوں میں بارہ کروڑ آبادی کا عظیم ملک پانچ کروڑ کا چھوٹا سا ملک بن گیا؟ کیا بنگلہ دیش کے قضیہ سے دونوں طرف کے مسلمان عذابِ الٰہی میں نہیں مبتلا ہوئے؟ اسلامی رواداری، اتحاد واُخوت ختم کرکے کیا دولت کمائی؟ آخرت سے پہلے دنیا کی رسوائی اور خسران وتباہی بھی دیکھ لی۔ افسوس کہ وہی غیر اسلامی سبق پھر یہاں مغربی پاکستان میں دہرایا جارہا ہے۔ وہی سندھی، پنجابی، بلوچ اور پٹھان کے ملعون نعرے یہاں بھی اُبھر رہے ہیں۔ ارحم الراحمین کے غضب کو دعوت دینے والی صورتیں اختیار کی جارہی ہیں۔ طاغوتی طاقتیں جن کا ڈورا باہر کے شیاطین کے ہاتھ میں ہے، اسلام اور مسلمانوں پر ایک اور کاری ضرب لگانے کی فکر میں لگ گئے ہیں، فإنا للہ وإنا إلیہ راجعون.

نہ اربابِ حکومت مرض کا صحیح علاج سوچ رہے ہیں نہ اربابِ دین؛ دین کے تقاضوں کو پورا کررہے ہیں۔ نہ اربابِ قلم زورِ قلم اصلاحِ حال پر خرچ کررہے ہیں۔ غور کرنے سے یہی معلوم ومحسوس ہوتا ہے کہ اس قوم کا آخرت پر یقین یا تو ختم ہوگیا ہے یا اتنا کمزور ہوگیا ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے، جنت وجہنم اور حیاتِ ابدی کے تصور سے دل ودماغ خالی ہوگئے ہیں، تمام نعمتیں وآسائشیں صرف دنیا کی چاہتے ہیں۔ جب مرض یہ ہے، یعنی دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت، تو اب رہنمایانِ قوم کا فرض یہ ہے کہ اسی کا تدارک کریں، اور اسی کا علاج

سوچیں۔ گزشتہ چند سالوں کے تجربات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو طریقہ علاج کا سوچا گیا اور عملاً اس کو اختیار بھی کیا گیا، وہ صحیح قدم نہ تھا۔ اخبارات بھی جاری کیے گئے، جلوس بھی نکالے گئے، مظاہرے بھی کیے گئے، جھنڈے بھی اٹھائے گئے، نعرے بھی لگائے گئے، الیکشن بھی لڑے گئے، کچھ ممبر بھی منتخب ہوگئے، اسمبلی ہالوں میں پہنچ بھی گئے، کچھ تقریریں بھی کیں، کچھ تجویزیں بھی پاس ہوئیں، لیکن یہ سب نقارخانے میں طوطی کی آواز بن کر رہ گئے، قوم سے چندے کیے گئے، کروڑوں روپے خرچ بھی کیے، لیکن قوم جہاں تھی کاش وہیں رہتی، ہزاروں میل پیچھے ہٹ گئی۔

میں یہ نہیں کہتا کہ یہ تدابیر اختیار نہ کی جائیں اور یہ بالکل عبث اور ضیاعِ وقت ہے، لیکن اتنا تو واضح ہوگیا کہ یہ پوری اصلاح نہیں، یا اصل علاج نہیں اور یہ نسخہ مفید ثابت نہ ہوا، مرض کا اِزالہ اس سے نہیں ہوسکا۔ بہرحال ان سیاسی تدبیروں کے ساتھ اب دینی سطح پر کام کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کا شوق اس بات کا متقاضی ہے کہ سیاسی تدبیریں اختیار کی جائیں اور سیاسی حربے بھی استعمال ہوں اور آپ کی طبیعت اور ذوق ان وسائل کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں، اگرچہ ہماری دیانتدارانہ رائے یہی ہے کہ ان کی حقیقت ایک سراب سے زیادہ نہیں اور ''کوہ کندن وموش برآوردن'' والی مثال صادق آتی ہے، وقتی اور سطحی عوامی فائدے ہیں، لیکن تاہم اگر آپ کا ذوق تسلیم نہیں کرتا تو ترک نہ کیجئے، لیکن اصلی اور حقیقی وبنیادی کام اصلاحِ معاشرہ ہے، اللہ تعالیٰ کی اس مخلوق کو بھولا ہوا سبق یاد دلائیں اور انبیاء کرام (علیہم السلام) اور مصلحینِ اُمت کے طریقوں پر آسمانی ہدایات کی روشنی میں اصلاح کا بیڑہ اُٹھائیں اور اپنی پوری طاقت انفرادی واجتماعی اصلاحِ امت پر خرچ کریں۔ گھر گھر بستی بستی پہنچ کر دعوت الی الخیر کا ربانی پیغام پہنچائیں، اجتماعات ہوں تو اسی مقصد کے لیے، جلسے ہوں تو اسی بنیاد پر، مجلّات ہوں تو اسی کام کے لیے، اخبارات کے صفحات ہوں تو اسی مقصد کے لیے۔ اور کاش کہ اگر حکومت کے وسائل حاصل ہوں اور ریڈیو وغیرہ کی پوری طاقت بھی اس پر خرچ ہو تو چند مہینوں میں یہ فضا تبدیل ہوسکتی ہے۔ بہرحال اس وقت یہ آرزو تو قبل از وقت ہے کہ حکومت کی سطح پر جو وسائلِ نشر واشاعت ہیں، وہ ایمان کی روح سے آراستہ ہوں اور ایمانی حرارت اور نور اُن میں جلوہ گر ہو، ان کے ذریعہ اصلاح ہو۔ اب ضرورت اس کی ہے کہ آج کی نسل خدا ترس بن جائے، ان کی اصلاح ہو، آج کی یہی نسل کل حکمران ہو تو تمام وسائلِ نشر واشاعت اور خبر رساں ایجنسیاں سب کے سب اشاعتِ اسلام وتزکیۂ اخلاق کے سرچشمے ہوں۔ پوری قوم نہ سہی اکثریت یا قابلِ اعتبار اہم اقلیت کی ہی اصلاح ہوجائے، تو کل کرسیِ صدارت یا کرسیِ وزارت یا منصبِ سفارت ہو یا وسائلِ نشر واشاعت ہوں، سب کے سب تعلیمِ اسلام وتعلیمِ دین کے مراکز بن سکیں گے۔ اب تو حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ پاسبان خود چور بن گئے ہیں، جو رہبر تھے وہ رہزن بن گئے ہیں۔ تفصیلات میں جانے کی حاجت

نہیں، ''عیاں راچہ بیان'' جوصورت حال ہے وہ سامنے ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس وقت دین کی اہم ترین پکار یہی ہے کہ خدا کے لیے اُٹھو اور خوابِ غفلت سے بیدار ہوجاؤ اور سفینۂ حیات کو ساحلِ مراد تک پہنچانے کی پوری جد وجہد کرو۔ نیز یہ چیز پیش نظر رہے کہ طاغوتی طاقتیں اور تمام فتنہ وفساد برسرکار ہیں اور نہایت تیزی سے سیلاب آرہا ہے، کمزور ناتواں کوشش کافی نہیں، فساد معاشرے میں بم کی رفتار سے پھیل رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ کیڑے مکوڑوں کی رفتار سے مقابلہ کیا گیا تو کیونکر اصلاح ممکن ہوگی؟ خدارا یہ آگ جو لگ چکی ہے، جلد سے جلد بجھانے کی کوشش کرو، ورنہ تمام قوم وملک اس کے شعلوں کی نذر ہوجائے گا۔

افسوس وتعجب سے کہنا پڑتا ہے کہ اگر کسی کے گھر میں آگ لگ جاتی ہے تو وہ فوراً بجھانے کی تدبیر میں لگ جاتا ہے، کوئی کوتاہی نہیں کرتا، لیکن دین اسلام کے گھر میں آگ لگی ہوئی ہے، صدیوں کا جمع کیا ہوا ذخیرہ نذرِ آتش ہونے کے قریب ہے، لیکن ہم اطمینان سے بیٹھ کر تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ ہمارے ملک میں جو بحران دو ڈیڑھ سال سے چل رہا ہے، وہ مشرقی پاکستان کو موت کی نیند سلا دینے کے بعد بھی تھمنے نہیں پایا، بلکہ اس کا سارا زور سمٹ کر اب نیم جان مغربی پاکستان پر لگا ہوا ہے۔ مریض کے حالات اتنے غیر یقینی اور مستقبل اتنا بھیانک ہے کہ اسے ضبطِ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔

ہم علماء سے، طلبہ سے، حکام سے، صحافیوں سے، وکیلوں سے، کسانوں سے، مزدوروں سے، اور ہر ادنیٰ اور اعلیٰ سے خدا کے نام پر اپیل کرتے ہیں کہ اگر اس ملک کی اور خود اپنی زندگی کچھ دن اور مطلوب ہے، اگر ہمارے دل پتھر، ہمارے ذہن مفلوج، ہمارے دماغ ماؤف اور ہمارے اعضاء شل نہیں ہو گئے ہیں اور اگر ہمارے بدن میں زندگی کی کوئی رمق اور ہماری آنکھ میں عبرت وغیرت کا کچھ پانی ابھی موجود ہے تو سارے دھندے چھوڑ کر، سارے ضروری کام ملتوی کر کے اور سارے مشاغل سے ہٹ کر چند دن کے لیے دعوت الی اللہ کا کام کرنا ہوگا، اس کے لیے سب کو نکلنا ہوگا، سب کے پاس جانا ہوگا، در بدر ٹھوکریں کھانی ہوں گی، اگر ملک کا معتد بہ حصہ اس فرض کو انجام دینے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوگا تو حق تعالیٰ اس ملک کی اور اس کے ساتھ ہماری بقاء کا فیصلہ فرمادیں گے اور پھر بھارت اور روس بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور اگر ہم بدستور اپنی اپنی لَے میں مصروف اور اپنے کام میں مگن رہے اور دعوت الی اللہ کے کام کے لیے اپنے مال اور اپنی جان کو خرچ کرنے کی ہمت نہ کی تو خدا ہی جانتا ہے کہ اس فرض ناشناسی کی پاداش کن کن شکلوں میں ظاہر ہوگی۔ ہماری تدبیریں، ہماری حکومتیں، ہماری وزارتیں، ہماری اسمبلیاں، ہمارے وسائل خدا کے فیصلے کو نہیں بدل سکتے۔ میٹنگیں بلانے، عمائد کو جمع کرنے، اتحاد کے نعرے لگانے اور مشترک لائحہ عمل تیار کرنے پر بہت وقت ضائع کیا جاچکا ہے، اب وقت

ہمیں ایک لمحہ کی مہلت دینے کو بھی تیار نہیں، نہ دعوت واصلاح کے خاکے مرتب کرنے پر مزید اضاعتِ وقت کی ضرورت ہے۔ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ والی تبلیغی تحریک ہی بس اُمید کی آخری کرن ہے۔ اپنے ذوق، اپنے تقاضوں اور اپنے اختلافات کو ایک طرف رکھ دیجئے، ملت کی شکستہ کشتی کے ٹوٹے ہوئے اس تختہ کو جس پر پانچ کروڑ نفوس سوار ہیں، اگر بچانا ہے تو بس یہی ایک تدبیر ہے کہ ہم سب اخلاص کے ساتھ خِفافاً وثِقالاً اس کام کے لیے نکل کھڑے ہوں اور دعوت کے کام کو سیکھیں اور کریں۔

ہم ایک بار پھر علماء اور دانشور طبقہ سے عرض کریں گے کہ خدارا مقتضائے حال کو سمجھو، ہمارے موجودہ مشاغل ہمارے پاؤں کی زنجیریں بن جائیں گے، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے دعوت واصلاح کی محنت والا کام نہ سنبھالا گیا اور ہماری بے التفاتی، لاپروائی اور بے اعتنائی کی یہی کیفیت رہی جو اَب تک ہے تو وقت کا فیصلہ بڑا ہی شدید اور بھیانک ہوگا۔ مشرق والوں کو اس کا تجربہ ہو چکا ہے، ہمیں اسی سے عبرت پکڑ لینی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں اور ملتِ بیضاء کی حفاظت کی توفیق امت کو نصیب فرمائیں۔

کچھ دن ہوئے لاہور کے ایک صاحب کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ ہم اس مکتوب اور اس کے ساتھ منسلکہ خواب کو بصائر وعبر کی مناسبت سے یہاں پیش کرتے ہیں۔

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ! ۹، ۱۰ جنوری کی درمیانی شب کو میں نے ایک خواب دیکھا، جس کی کاپی جناب کو روانہ کر رہا ہوں، اس خواب میں میں نے کچھ علماء کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے دیکھا ہے، جن میں ایک آپ (مولانا محمد یوسف بنوری) بھی ہیں۔ پہلی صف میں مولانا مفتی محمد حسن، مولانا محمد یوسف دہلوی، مولانا عبدالقادر رائے پوری، مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری اور جناب (مولانا محمد یوسف بنوری) تشریف فرما ہیں، پچھلے سے پچھلے رمضان المبارک کو ایک خواب دیکھا تھا جس میں دیکھا تھا کہ چاند اپنی گولائی میں موجود ہے، اس پر پاکستان کا نقشہ بنا ہوا ہے، مشرقی حصے کے نقشہ پر یہ حروف لکھے ہیں:

''سنهلك الأرض وأهلها.''

''ہم اس سرزمین کو اور یہاں کے رہنے والوں کو عنقریب ہلاک کر دیں گے۔''

اس خواب کے بعد جو یہاں نقل کیا جا رہا ہے' طبیعت خاصی پریشان ہے۔ سوچتا ہوں کہ اس پیغام کا حق کیسے ادا ہو! اُمید ہے آپ کوئی تسلی بخش جواب دیں گے۔ والسلام

خواب اور پیغام

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکان میں مشرق کی جانب رخ کیے ایک ممبر پر تشریف فرما ہیں۔ میں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑا ہوں اور ایک دُبلے پتلے گورے چٹے بزرگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب کھڑے ہیں۔ علماء کا ایک گروہ بھی حاضرِ خدمت ہے، ایک عالم دین کھڑے ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پاکستان کے حالات بیان کررہے ہیں۔ واقعات سناتے ہوئے جب وہ یہ کہتے ہیں: ''پھر یا رسول اللہ! ہندوستان کی فوجیں فاتحانہ انداز سے ہمارے ملک میں داخل ہوگئیں۔'' تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیوں سے اپنی پیشانی تھام لیتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے لگا تار آنسو بہنے لگتے ہیں۔ یہ دیکھ کر تمام محفل پر گریہ طاری ہوجاتا ہے اور بعض حضرات تو چیخیں مار مار کر رونے لگتے ہیں۔

کچھ دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم علماء کی جماعت کی طرف متوجہ ہوکر ارشاد فرماتے ہیں: ''اس حادثۂ عظیم پر ملائکہ بھی غمزدہ ہیں، مگر اُن کو تمہارے اعمال کی بدولت تمہاری مدد کے لیے نہیں بھیجا گیا۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور سرخ ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تمہیں معلوم ہے تمہاری اسی مملکت میں میری نبوت کا مذاق اُڑایا گیا، میرے صحابہؓ کو گالیاں دی گئیں اور میری سنت کی تضحیک و اہانت کی گئی۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے جماعت علماء! امت کو میرا پیغام پہنچا دو کہ جب تک حکام عیاشی، ظلم اور تکبر نہیں چھوڑیں گے، اغنیاء جب تک بخل، حق تلفی اور بے حیائی ترک نہیں کریں گے۔ علماء جب تک کتمانِ حق، حرصِ دنیا اور ریاکاری وخودنمائی سے باز نہیں آئیں گے، عورتیں جب تک بدکاری، ناچ رنگ، فحش گانے، شوہروں کی نافرمانی اور عریانی و بے پردگی نہیں چھوڑیں گی اور پوری قوم جب تک جھوٹی گواہی، غیبت، زنا، لواطت، شراب نوشی، سودخوری، اور اعمالِ شرک سے توبہ نہیں کرے گی، خوب یاد رکھو! اس وقت تک عذابِ الٰہی سے نہیں بچ سکتی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم مجھے ان باتوں کے ترک کردینے کی ضمانت دو، میں تمہیں دنیا وآخرت کی بھلائی کی ضمانت اور دشمن پر غلبہ کی بشارت دیتا ہوں، لیکن اگر تم اب بھی ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہو تو خوب یاد رکھو! عنقریب ایک سخت ترین عذاب بصورتِ نفاق آنے والا ہے، جس سے تمہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا۔'' (العیاذ باللہ) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمائی:

''وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ''

''اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص انہی لوگوں پر واقع نہیں ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں، اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والے ہیں۔'' (بیان القرآن)

اس آیت کے سنتے ہی ہم سب پر گریہ طاری ہوگیا، ہم رو رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہ آیت دہراتے تھے:

’’وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔‘‘

’’اور اے مسلمانو! (تم سے جو ان احکام میں کوتاہی ہوگئی تو) تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔‘‘ (بیان القرآن)

اس پر مزید کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔ ’’عذاب بصورتِ نفاق‘‘ کی تعبیر صوبائی عصبیت، گروہی مفادات کا وہ طوفان ہے جو ملک کے در و دیوار سے ٹکرا رہا ہے، جس میں علماء، صلحاء اور عوام و حکام سب بہے جا رہے ہیں اور جسے برپا کرنے میں اوپر سے نیچے تک تمام عناصر اپنی پوری قوتیں صرف کررہے ہیں۔ پورا ملک آتشِ نفاق کی مہیب لہروں کی لپیٹ میں ہے، جس پر توبہ واستغفار، تضرُّع وابتہال اور دعوت الی اللہ کے ذریعہ آج تو قابو پایا جاسکتا ہے، مگر کچھ دن بعد یہ تدبیر بھی کارگر نہیں ہوگی اور پھر خدا ہی جانتا ہے کہ کیا حالات ہوں گے، کون رہے گا اور کس کی حکومت ہوگی اور انسان محکوموں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائیں، ہمارے گناہوں کو معاف فرمائیں اور پوری اُمت کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائیں۔

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ صفوۃ البریۃ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ و أصحابہٖ و أتباعہٖ أجمعین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

مدارس رجسٹریشن کا قضیہ
حقائق وخدشات

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہٗ
صدر وفاق المدارس العربیہ، پاکستان

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا ونبينا وحبيبنا ومولانا محمد خاتم النبيين وإمام المرسلين وعلٰى آله وأصحابه أجمعين وعلٰى كل من تبعهم بإحسانٍ إلٰى يوم الدين . . . أما بعد :

مدارس کے خلاف پروپیگنڈا

آج کل عام لوگوں کے ذہنوں کو مشوش کرنے کے لیے یہ پروپیگنڈا کیا جارہا ہے کہ حکومت تو یہ چاہ رہی ہے کہ مدارس چونکہ تعلیمی ادارے ہیں، لہٰذا انہیں وزارتِ تعلیم کے ساتھ وابستہ ہونا چاہیے اور اہلِ مدارس یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں تو سوسائٹیز ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہونا ہے، جبکہ سوسائٹیز ایکٹ تو وزارتِ صنعت وتجارت سے تعلق رکھتا ہے یا وزارتِ داخلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ لوگوں کو یہ بات سمجھ نہیں آرہی کہ ہم وزارتِ تعلیم کی بجائے سوسائٹیز ایکٹ کے تحت کیوں رجسٹریشن پسند کرتے ہیں؟

سوسائٹیز ایکٹ کیا ہے؟

اولاً یہ سمجھنا چاہیے کہ سوسائٹیز ایکٹ کیا چیز ہے؟ سوسائٹیز ایکٹ درحقیقت ایک ایسا قانون ہے جس کے تحت آپ کوئی ایسی سوسائٹی یا پرائیویٹ ادارہ بنا سکتے ہیں، یعنی آپ کو کوئی بھی ادارہ بنانا ہو، کوئی بھی تعلیم دینی ہو، کوئی رفاہی کام کرنا ہو، اپنا تربیتی ادارہ قائم کرنا ہو، پیشہ وارانہ تعلیم وتربیت کرنی ہو، یہاں تک کہ کوئی آرٹس کونسل قائم کرنی ہو تو وہ سارے کے سارے پرائیویٹ ادارے اس سوسائٹیز ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہوتے ہیں اور ہوتے چلے آرہے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ سوسائٹیز ایکٹ پرائیویٹ اداروں کو

رجسٹرڈ کرنے کا ایک ڈاکخانہ ہے کہ جس کے ذریعے پرائیویٹ ادارے ایک قانونی حیثیت حاصل کرلیتے ہیں، اب وہ پرائیویٹ ادارے اپنے نظام کے تحت چلتے ہیں، اُن کا اپنا ایک طریقہ کار ہوتا ہے، ان کے عہدے دار یا مجلسِ منتظمہ کے لوگ ہی اس کے تمام اُمور کے نگران ہوتے ہیں، ان کو مکمل اختیار ہوتا ہے کہ اپنی بنائی ہوئی سوسائٹی کے اندر جو نظم قائم کریں' کرسکتے ہیں، صرف اتنا ہے کہ وہ رجسٹرڈ ہوجاتے ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ ان کا وجود قانونی طور پر تسلیم کرلیا جاتا ہے، لیکن اپنے اندرونی معاملات میں وہ بالکل خودمختار آزاد ہوتے ہیں، انہیں یہ باور کرانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی کہ ہم خودمختار ہیں، بلکہ جوں ہی اس میں رجسٹرڈ ہوئے، تو اس رجسٹریشن کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے نظام کے تحت اپنے ادارے کو چلانے کے لیے خودمختار ہیں۔

وزارتِ تعلیم کیا ہے؟

دوسری طرف وزارتِ تعلیم حکومت کا ایک ادارہ ہے اور حکومت کے ادارے کی حیثیت سے وہ اپنے سارے تعلیمی نظام کو کنٹرول کرتا ہے، اس کے ماتحت یونیورسٹیاں بھی آتی ہیں، اس میں وہ کالج، اسکول بھی آتے ہیں جو سرکار کے تحت قائم ہورہے ہیں، یہ سب وزارتِ تعلیم کے نظام کے پابند ہوجاتے ہیں، سادہ لفظوں میں یہ فرق ہے کہ اگر سوسائٹیز ایکٹ کے تحت کوئی ادارہ رجسٹرڈ ہے وہ پرائیویٹ ہے اور اس کو اپنا نظام چلانے کا مکمل اختیار حاصل ہے اور اگر کوئی کسی وزارتِ تعلیم کے تحت وزارت کا حصہ بن گیا تو اس وزارت کے نظام کے اندر وہ آگیا۔

مدارس حکومتی مداخلت سے آزاد پرائیویٹ ادارے ہیں

ہمارے مدارس کی بنیاد حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے وقت سے ہی اس بات پر ہے کہ یہ پرائیویٹ ادارے ہیں، ان کا حکومت سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہمیں حکومت سے نہ کوئی امداد چاہیے، نہ ہی حکومت کی مداخلت برداشت ہے، ہم اپنے اکابر سے چلے آرہے طریقہ کے تحت اپنی خودمختاری سے چلنا چاہتے ہیں، کسی ایسے ادارے کو اپنے اوپر مسلط نہیں کرنا چاہتے جو ہمارے اندرونی نظام میں دخل اندازی کرے، جو ہمارے طریقہ کار میں مداخلت کرے، جو کسی طرح بھی ہمارے مقاصد پر اثرانداز ہو۔ مدرسہ کو ہم اس سے آزاد رکھنا چاہتے ہیں اور یہ آزادی ہمیں سوسائٹی ایکٹ کے تحت ملتی ہے، کیونکہ وہ پرائیویٹ ہے، اس میں سارے ادارے پرائیویٹ ہیں۔

بہت سے تعلیمی ادارے اب بھی سوسائٹیز ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہیں، اس لیے کہ وہ پرائیویٹ

ہیں، اور پرائیویٹ طریقے سے اپنے نظام کے تحت چلنا چاہتے ہیں۔ ہمیں اس بات پر اس لیے اصرار ہے کہ وزارتِ تعلیم کے ساتھ منسلک نہیں ہونا، اور میری تو اول روز سے یہی رائے ہے۔

ایک مفاہمتی یادداشت سے متعلق غلط فہمی کا ازالہ

وزارتِ تعلیم کے متعلق اس سے قبل ہم نے انتہائی دباؤ کے حالات میں (ایک مفاہمتی یادداشت میں) اتنی سی بات تسلیم کی تھی کہ ٹھیک ہے، ہمارا ڈاکخانہ بدل جائے اور وزارتِ تعلیم کی طرف چلا جائے، لیکن جس اندیشہ کی بنا پر ہم وزارتِ تعلیم میں جانے سے پرہیز کررہے تھے، وہ اسی وقت حقیقت بن کر سامنے آ گیا، جب ہمارے ساتھ مذاکرات میں ایک مفاہمتی یادداشت تیار ہوئی، جسے آج معاہدہ کا نام دیا جارہا ہے، وہ درحقیقت اصطلاحی اعتبار سے ایم او یو ہے، (یہ محض) مفاہمتی یادداشت ہوتی ہے، قانونی اعتبار سے اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا، اس کا مطلب صرف یہی ہوتا ہے کہ ابھی بات چل رہی ہے، اس کے اندر کچھ چیزوں پر مفاہمت ہوئی ہے۔

اس مفاہمت کا ایک حصہ یہ تھا کہ ہمارے بینک اکاؤنٹ کھلیں گے، ہم خودمختار آزاد رہیں گے، ہمارے غیر ملکی طلباء کو ویزے ملیں گے، اس میں یہ بھی تھا کہ جب تک اس پر پوری طرح عمل نہیں ہوجاتا، سوسائٹیز ایکٹ کے تحت جو مدارس رجسٹرڈ ہورہے ہیں وہ اپنی جگہ رجسٹرڈ ہوتے چلے جائیں گے، یہ ابھی مفاہمتی یادداشت کے مرحلہ میں ہی تھی کہ ایک ارب روپے کا بجٹ بنا کر ایک ڈائریکٹریٹ قائم کردی گئی، جس کو ایک سابق ملٹری میجر جنرل کے ماتحت کردیا گیا، اور اس کے لیے مختلف جگہوں پر دفاتر قائم کرنا شروع کردیئے گئے، اور اس میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ مدارس اپنے نظام میں آزاد اور خودمختار رہیں گے، لیکن آخر میں یہ بھی لکھا کہ وقتاً فوقتاً وزارتِ تعلیم کی طرف سے جو ہدایات آئیں گی، مدارس اس کے پابند ہوں گے۔ اس مرحلہ پر ہمیں اپنے اندیشے حقیقت بن کر سامنے نظر آنے لگے، ہم جو کہتے تھے کہ وزارتِ تعلیم میں جائیں گے تو کسی نظام میں پھنس کر اس کے تمام ارشادات کے تابع ہوں گے۔

مدارس حکومت کے ماتحت نہیں ہوسکتے

ہم یہ بات واضح کہہ دینا چاہتے ہیں کہ کسی حکومت کے ماتحت ہوکر ہم اپنے نصاب و نظام کو جاری نہیں رکھ سکتے، ایسا کرنا ہمارے لیے زہرِ قاتل ہے، ہم نے ایسا کرنے والوں کے انجام دیکھے ہیں، ہم نے سعودی عرب دیکھا، ہم نے امارات دیکھا، مصر دیکھا ہے، ہم نے شام دیکھا ہے کہ ان ممالک میں مدارس کو کس طریقے سے ختم کیا گیا، مدارس کو کس طریقے سے دبایا گیا، آج وہاں پر کوئی کلمۂ حق کہنے والا موجود نہیں

ہے، یا کوئی حق بات کہے تو اس کی جگہ جیل ہوتی ہے یا اس کے اوپر تشدد کیا جاتا ہے۔

الحمدللہ! پاکستان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کے لیے بنایا، پاکستان کو درحقیقت اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسلام کا قلعہ بنایا ہے، ہم یہاں یہ صورت حال کسی قیمت برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے مدارس اور ہمارے علماء اس طرح ہو جائیں کہ ان کے سامنے کچھ بھی ہوتا رہے، وہ اپنی زبانوں کو بند رکھیں اور شیطانِ اخرس بن کر زندگی گزاریں۔

وزارتِ تعلیم کی ماتحتی میں اندیشے اور نقصانات

(حکومتوں کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ) جب کسی (ادارہ، شخص) کو گھیرنا ہوتا ہے تو شروع میں ساری پابندیاں عائد نہیں ہوتیں، شروع میں اس کے لیے ایک دانہ ڈالا جاتا ہے، اس کے بعد آگے جا کر اس کو کسی وقت میں گھیرا جاتا ہے، پوری تاریخ میں یہی طریقہ کار رہا ہے۔

ابھی اگرچہ اس (مفاہمتی یادداشت) میں لکھا ہوا ہے کہ اپنے نظام میں آزاد و خودمختار رہیں گے، لیکن اس کے باوجود ایک مرتبہ جب اس دائرے کے اندر آ گئے، جبکہ اس میں یہ جملے بھی موجود ہیں کہ وزارتِ تعلیم کی طرف سے وقتاً فوقتاً ملنے والی ہدایات کے پابند ہوں گے، تو اب آپ دیکھیے آج کسی کی حکومت ہے، کل کسی اور کی حکومت ہوگی، وہ لوگ بھی حکومت میں وزارتِ تعلیم کے اندر آئیں گے، جو یہ کہہ رہے ہیں کہ مدارس جہالت کی یونیورسٹیاں ہیں، جنہوں نے مذاق اُڑاتے ہوئے کہا کہ مدارس تو صرف یہ سکھاتے ہیں کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ تو یہ مدارس موجودہ زندگی کے ساتھ کیسے چل سکتے ہیں؟ تو ایسے لوگ بھی تعلیم کے نظام کے اندر آ سکتے ہیں، کل کو کون آتا ہے؟ کچھ نہیں کہا جا سکتا، لہٰذا مدارس کو اس دائرے کے اندر لانے کے ہم بالکل سختی کے ساتھ مخالف ہیں۔

چونکہ سوسائٹیز ایکٹ پرائیویٹ اداروں کا قانون ہے، اس واسطے ہم پرائیویٹ اداروں کے طور پر اپنا کام کرنا چاہتے ہیں، جس میں ہمارے کام میں کوئی مداخلت نہ ہو، ہم خود الحمدللہ! اس حقیقت سے پوری طرح باخبر ہیں، وفاق المدارس پوری طرح باخبر ہے، اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ ہمارے علماء کو موجودہ دور میں اپنا پیغام بہتر طریقے سے پیش کرنے کے لیے کن معلومات کی ضرورت ہے؟ ہم اپنے مدارس میں وہ معلومات پڑھانا چاہتے ہیں۔

مدارس کا اصل مقصد اور ایک اعتراض کا جواب

ہم اس لیے نہیں پڑھانا چاہ رہے، جو ساری دنیا یہ نامعقول بات کہتی ہے کہ مدارس سے ڈاکٹر

کیوں پیدا نہیں ہوتے؟ اس سے لایر کیوں نہیں پیدا ہوتے؟ انجینئر کیوں نہیں نکلتے؟ مدارس کے فضلاء کسی ملٹری کے اندر کمیشن کیوں نہیں لیتے؟ اور اس بات کو بڑے فخر سے بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں مدرسہ کے لوگ کمیشن لے چکے ہیں، وہ بریگیڈ یئر بن چکے ہیں، وہ کرنل بن چکے ہیں۔

ارے بھائی! یہ مدرسہ کرنل اور بریگیڈ یئر پیدا کرنے لیے نہیں تھا، یہ قرآن وسنت کا علم محفوظ کرنے لیے تھا، یہ عالم پیدا کرنے کے لیے تھا، یہ بتاؤ کہ پورے پاکستان میں کون سے سرکاری ادارے میں اسلام کی تعلیم دی جارہی ہے؟ کون سے سرکاری ادارہ میں حافظ پیدا ہورہے ہیں؟

مدارس اپنے مقصد میں کامیاب ہیں

اس ملک کی کسی مسجد میں کبھی یہ اعلان نہیں سنا ہوگا کہ ہمارے ہاں تراویح پڑھانے کے لیے حافظ نہیں ہے۔ حافظ زیادہ ہیں، مسجدیں کم ہیں، یہ حافظ کہاں پیدا ہورہے ہیں؟ جو حفاظ قرآن کریم کی خدمت انجام دے رہے ہیں، تراویح پڑھانے کے لیے موجود ہیں، یہ کہاں سے آرہے ہیں؟ کسی کالج سے؟ کسی یونیورسٹی سے؟ کسی انسٹی ٹیوٹ سے؟ یہی مدارس ہی ہیں جو یہ سب پیدا کررہے ہیں، کوئی آدمی یہ بتائے کہ کیا اس معاشرے کی ضرورت نہیں ہے کہ اگر کسی شخص کو کوئی دینی مسئلہ پیش آجائے تو اس کا جواب دینے والا کوئی موجود ہو؟

آج یہ ساری دنیا دیکھ لے کہ اگر کسی مسلمان کو کوئی نکاح طلاق کا بھی مسئلہ پوچھنا ہوتا ہے، بیع و شراء کا مسئلہ معلوم کرنا ہوتا ہے، نماز اور روزے کا پوچھنا ہوتا ہے تو وہ کیا کسی یونیورسٹی کے پروفیسر کے پاس جاتے ہیں؟ اس کے پاس جاتے ہیں جس نے اسلامک سٹڈیز کی ڈگری لے رکھی ہو؟ کیا کسی ایسی یونیورسٹی یا کسی پروفیسر کے پاس جاتے ہیں؟ جو اسلامک اسٹڈیز پڑھا رہا ہے؟

وہ اگر جاتے ہیں تو ان لوگوں کے پاس جاتے ہیں جن کے پاس قرآن وحدیث، فقہ، اصولِ فقہ کا پورا علم ہے، کیوں جاتے ہیں؟ اس لیے کہ یہ جانتے ہیں کی صحیح علم ان کے پاس ہے، انہیں دین صحیح طریقے سے آتا ہے۔

یہ سارا کام مدارس اس لیے کررہے ہیں اور اس طرح کررہے ہیں کہ ہم کسی کے تسلط کے روادار نہیں ہیں۔ ہم وہ بات کہیں گے جو قرآن کہتا ہے، ہم وہ بات کہیں گے، جو حدیث کہتی ہے، ہم وہ بات کہیں گے جو ہمارا دین کہتا ہے، اس وجہ سے ہم کوئی مداخلت کسی قیمت برداشت نہیں کرسکتے، اگر کریں گے تو ہم تو اپنے فرضِ منصبی میں زبردست کوتاہی کے مرتکب ہوں گے، اور ہم نے اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جو عہد

کیا ہے، اس سے غداری کے مرتکب ہوں گے۔ اس لیے یہ فرق ہے سادہ لفظوں میں کہ مدارس پرائیویٹ ہیں یا سرکار کے تحت ہیں، پرائیویٹ ہیں یا سرکاری تسلُّط پر ہیں، بنیادی سوال یہ ہے۔

مدارس کا صنعت وتجارت سے تعلق نہیں ہے

سوسائٹیز ایکٹ میں ہم پرائیویٹ طریقے پر کام کررہے ہیں، اس کا صنعت وتجارت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس کا تعلق ایک سوسائٹی سے ہے، اس میں کچھ بھی ہوسکتا ہے، یہ سوسائٹی کچھ بھی کرسکتی ہے، جس طرح ایک ٹرسٹ ہوتا ہے، وہ ٹرسٹ جو چاہے کرسکتا ہے، اسی طرح سوسائٹیز ایکٹ کے ساتھ رجسٹرڈ ہوکر ایک سوسائٹی بنتی ہے اور وہ سوسائٹی اپنے نظام کے مطابق جو چاہے کرسکتی ہے اور وزارتِ تعلیم میں جائیں گے تو ہم سرکار کے ماتحت ہوں گے۔

یہ ہماری گزارشات ہیں، یہ ہمارا اصل مقصود ہے اور اس وجہ سے ہم اس پر ڈَٹے ہوئے ہیں اور ان شاء اللہ! ڈَٹے رہیں گے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

حدیث کے اسباق میں قراءتِ حدیث اور اُس کی اقسام

ڈاکٹر محمد اکرم ندوی
اردو ترجمہ: مولانا فضل الرحمٰن محمود

علوم وفنون کے حصول اور ان میں مہارت پیدا کرنے کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ یہ بات کسی ذہین و ماہر اور باکمال عقل مند شخص سے پوشیدہ نہیں۔ علمِ حدیث انہی علوم وفنون کا حصہ ہے، اسے حاصل کرنے کے بھی بہت سے طریقے ہیں، ان تمام طریقوں کا خلاصہ تین قسموں میں بیان کیا جاسکتا ہے:

①- مکمل تفصیل سے بحث وتحقیق کے ساتھ علم حدیث پڑھا جائے۔

②- حدیث پڑھتے ہوئے متوسط درجے کی تشریح کی جائے۔

③- حدیث کی صرف قراءت کی جائے۔

اب میں ناواقف یا تجاہلِ عارفانہ سے کام لینے والوں کے لیے ان تینوں اقسام کی تشریح کرتا ہوں:

قسمِ اول: طالب علم اپنے استاذ کے سامنے بیٹھ کر حدیث کی مکمل کتاب یا اس کا کچھ حصہ پڑھے۔ استاذ پڑھاتے ہوئے عبارت کی تصحیح اور ضبط واتقان کا خیال رکھے، متن کی تفصیلی تشریح کرے اور سند ومتن کی ہر آسان ومشکل چیز کی وضاحت کرے۔ اس طریقے سے طالب علم اسماء الرجال، طبقاتِ محدثین، سند ومتن میں موجود علل، الفاظ کے معانی، متونِ حدیث میں موجود مشکل مقامات اور فقہاء کے اختلافات سیکھ جاتا ہے۔ اس طریقۂ تدریس میں تفصیلی تشریح اور کامل وضاحت ہوتی ہے۔

اس میں بہت زیادہ وقت لگتا ہے، اصولِ ستہ میں سے کسی کتاب کو بھی اس طریقے کے مطابق ختم نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین پہلے سند سے خالی متون طلبہ کو پڑھاتے ہیں، پھر اسی نہج کو سامنے رکھتے ہوئے کتب اصول میں سے چند ابواب پڑھاتے ہیں، جس سے علم اور اس کے متعلقات کے طالب علم کے سامنے واضح تصور آجاتا ہے اور فہمِ حدیث کی مکمل مشق ہوجاتی ہے۔ عام اساتذہ اس حوالے سے یہ تدریج

آگے بڑھتے ہیں۔ سب سے پہلے ''أربعين للنووي، تهذيب الأخلاق، رياض الصالحين'' اور ''بلوغ المرام'' پڑھاتے ہیں۔ اس کے بعد ''مشكاة المصابيح'' اور آخر میں جامع ترمذی، سنن ابوداوٗد، صحیح مسلم، صحیح بخاری اور تمام کتبِ اصول کی تدریس ہوتی ہے۔

قسم دوم: طالب علم، استاذ کے سامنے موطا، اصولِ ستہ، مسند احمد بن حنبل وغیرہ پڑھے۔ استاذ کلمات کے زیر زبر کا خیال رکھے، مشکل مقامات کو حل کرے، رواۃ کے ناموں، کنیتوں، صفات اور نسخوں کے اختلافات کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اسانید ومتون کی ہلکے پھلکے انداز میں تشریح کرتا جائے۔ حدیث پڑھنے کا یہ طریقہ مضبوط اور بہت عمدہ ہے۔ یہی طریقہ محدثین کے ہاں رائج رہا ہے۔ اس میں اعتدال ہے، بڑے محدثین کا طریقۂ تدریس بھی یہی تھا، ان کی یہ مختصر تشریحات متونِ حدیث کے ساتھ نقل ہوتی آئی ہیں، جنھیں ''مدرجات'' کہا جاتا ہے۔

- شیخ عابد سندھیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ کتبِ ستہ روایت ودرایت دونوں کا لحاظ رکھتے ہوئے چھ مہینوں میں ختم کرتے تھے۔
- مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے شاگرد ومرید احمد ابوالخیر مکیؒ فرماتے ہیں کہ: میرے شیخ نے اپنے استاذ مولانا محمد اسحاق دہلویؒ سے صحیح بخاری دس سے زیادہ دنوں میں پڑھ کر ختم کی۔
- حافظ عبدالحی کتانیؒ اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ انھوں نے ''جامع قرویین'' کی بیرونی محراب میں بیٹھ کر پچاس مجالس میں صحیح بخاری تحقیق وتدقیق کے ساتھ پڑھا کر ختم کی۔ اس میں وہ ابوابِ حدیث اور محلِ استدلال سے متعلق ہر چھوٹی بڑی چیز بیان کرنے کے علاوہ خوب صورت نکات بھی ذکر کرتے گئے۔ یہ سب مثالیں اسی دوسری قسم میں شامل ہیں۔

قسم سوم: سردِ حدیث، یعنی طالب علم استاذ کے سامنے صرف حدیث کی قراءت کرتا جائے اور استاذ اس پر کوئی تشریح یا تبصرہ نہ کرے۔ قراءت کا یہ انداز پہلے دو طریقوں سے فارغ ہونے کے بعد اختیار کیا جاتا ہے۔ طالب علم متونِ حدیث کا مفہوم جان چکا ہے، اسانید کے مباحث اسے معلوم ہو چکے ہیں، لہٰذا اس اندازِ قراءت میں اس کی دہرائی اور یاددہانی ہوجاتی ہے، اسی طرح نئی اسانید وطرق بھی اس کی نظر سے گزر جاتے ہیں۔

سردِ حدیث کے فوائد

''سردِ حدیث'' کے کئی فوائد ہیں، ان میں سے چند فوائد ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں:

۱- کتبِ حدیث کی حفاظت

اگر محدثین صرف انہی احادیث کو ہی پڑھتے پڑھاتے رہتے، جو انہوں نے اپنے شیوخ سے ضبط

وتشریح کے ساتھ پڑھی ہیں، تو ہزاروں کی تعداد میں موجود دیگر تصنیفات ضائع ہوجاتیں، اور بہت سی احادیث نظروں سے اوجھل رہتیں، لہٰذا اپنی عقلِ سلیم کی بہ دولت انھوں نے ''سردِ حدیث'' کے طریقے کو اپنایا اور ہزاروں احادیث سننے اور بے شمار کتب واجزاء پڑھنے کا انہیں موقع ملا۔

۲- یاددہانی (مذاکرہ)

ایک عالم اپنی پڑھی اور سنی ہوئی چیزوں کو بھول سکتا ہے۔ ''سردِ حدیث'' کے ذریعے وہ احادیث یادرکھ لے گا۔ مذاکرہ ایک معروف طریقہ ہے۔ محدثین ایک ہی مجلس میں ہزار یا اس سے زیادہ احادیث پڑھ لیتے تھے۔

۳- احادیث کی تلاش میں مدد

سردِ حدیث سے متابعات وشواہد کی تلاش میں مدد ملتی ہے۔ کبھی کبھار یہ لگتا ہے کہ فلاں حدیث (مثال کے طور پر) صحابہؓ میں سے صرف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے یا ائمۂ کرام میں صرف سفیان بن عیینہؒ نے ہی اسے روایت کیا ہے۔ جب ''سردِ حدیث'' کے طریقے کو اپنا کر تصنیفات واجزائے حدیث کی قراءت کی جاتی ہے تو جلد ہی حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کے شواہد اور سفیان بن عیینہؒ کے متابع مل جاتے ہیں۔

۴- فہمِ دین (تفقہ)

کتابوں کے مصنفین ایک ہی حدیث کو مختلف ابواب میں نقل کر کے اس پر ''تراجم'' کی شکل میں مختلف عناوین ذکر کرتے ہیں۔ ''سردِ حدیث'' سے (ان تراجم کی بدولت) حدیث کے دیگر مطالب بھی طالب علم کے سامنے آجاتے ہیں، جس سے اس کے فہمِ دین میں اضافہ ہوتا ہے۔

۵- کثرتِ ذکر

''سردِ حدیث'' کی وجہ سے خدا کے ناموں اور صفات کا ذکر، اس کی حمد وتسبیح، بزرگی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا موقع زیادہ حاصل ہوتا ہے۔

۶- نیکوکاروں سے تعلق

''سردِ حدیث'' کے دوران میں محدثین کے سامنے صحابہ رضی اللہ عنہم، ائمۂ تابعین اور تمام صلحائے امت کے نام آتے ہیں، جس کی وجہ سے پڑھنے والوں کے دل میں ان کی محبت کے جذبات موجزن ہوتے ہیں

اور پھر سیرت وکردار میں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق ملتی ہے۔ اسی بنا پر ہم نے دیکھا ہے کہ اس طرزِ عمل کو اپنانے سے محدثین سنت کی پیروی اور نیکی میں آگے بڑھنے کے لیے مثال بنتے چلے آرہے ہیں۔

۷- رحم دلی

تلاوتِ حدیث کی مجلس میں مختلف قبیلوں، زبانوں اور دور دراز علاقوں کے لوگ مل بیٹھ کر آپس میں رحم دلی اور محبت بانٹتے ہیں اور دوست بن جاتے ہیں۔ محض یہ رحم دلی بھی شریعت کا بہت بڑا مقصد ہے۔

سرعتِ قراءت سے متعلق علماء کی رائے

سرعتِ قراءت کے جواز سے متعلق علماء کی رائے مشہور ہے۔ تیزی سے پڑھنے کی بنا پر اگر کچھ کلمات وحروف سننے سے رہ جائیں تو اس کمی کو ''اجازتِ حدیث'' کے ذریعے پورا کیا جاتا ہے۔ ابن صلاحؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ: اگر حدیث پڑھنے والا تیزی سے پڑھے اور دور بیٹھا سامع متن کا کچھ حصہ صحیح نہ سن سکے تو اس میں کوئی حرج نہیں، ایسی حدیث کو آگے بیان کیا جاسکتا ہے۔ اگر سننے والا پڑھی جانے والی چیز کو سمجھ پا رہا ہے تو اس کا ''سماع'' صحیح ہے۔ مناسب یہی ہے کہ اس کے ساتھ ''اجازتِ حدیث'' بھی شامل کرلی جائے، تاکہ سننے میں اگر کوئی کمی ہو تو ''اجازت'' سے پوری ہوجائے۔ امام عبدالرحمٰن مہدی اور دیگر کئی حفاظِ حدیث سے روایت ہے: ''يكفيك من الحديث شمّهٗ.'' یعنی ''تمہارے لیے حدیث کی خوش بو سونگھنا بھی کافی ہے۔''

سلفِ صالحین اور سرعتِ قراءت

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں کریمہ مروزیہ کے سامنے پانچ دن میں صحیح بخاری پڑھ کر ختم کی اور لوگوں نے ان کی قراءت سے صحیح بخاری سنی۔ ''شذرات الذهب'' میں برہان ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بقاعی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ انہوں نے علامہ بدرالغزی کے سامنے بیٹھ کر مکمل صحیح بخاری چھ دن میں ختم کی۔ حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے شیخ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے سنن ابن ماجہ چار مجلسوں میں ختم کی اور اختتامی مجلس کو چھوڑ کر صحیح مسلم چار مجالس میں پڑھ کر ختم کی، اس سارے عمل میں تقریباً دو سے کچھ زیادہ دن لگے۔ حافظ سخاویؒ کہتے ہیں: سرعتِ قراءت میں ہمارے شیخ کی جو سب سے بڑی مثال سامنے آئی کہ انہوں نے سفرِ شام کے دوران میں ظہر اور عصر کے درمیان ایک مجلس میں طبرانی کی معجم صغیر پڑھ کر ختم کی۔ حافظ ابن حجرؒ کی زندگی میں سرعتِ قراءت کی یہ سب سے بڑی مثال ہے۔ فرماتے ہیں: ایک جلد کی اس کتاب میں تقریباً پندرہ سو احادیث ہیں۔

مجلسِ سماع میں کم عمر بچوں کی حاضری

قراءتِ حدیث کی پہلی دو اقسام حاصل کیے بغیر چھوٹے بچوں کو ''سرِدحدیث'' کی مجالس میں محدثین حاضر ہونے کی اجازت دیتے ہیں، تاکہ انہیں ان مجالس کی برکت حاصل ہو، حدیث سے ان کا تعلق مضبوط ہو اور محبتِ حدیث میں ان کی اٹھان ہو۔ اس کے بعد وہ ضبط و اتقان اور تشریح کے ساتھ حدیث پڑھ لیں گے۔ حافظ ابوالحجاج مزیؒ کے زمانے میں مجلسِ سماع میں چھوٹے بڑے اور عرب وعجم وغیرہ حاضر ہوتے، ان میں سمجھ بوجھ رکھنے والے لوگ بھی ہوتے اور ایسے بھی ہوتے جو کلامِ نبوی سمجھ نہ سکتے۔ حافظ مزیؒ کے سامنے ہی ان سب کا نام ''سماعِ حدیث'' میں لکھا جاتا۔ قاضی تقی الدین سلیمانؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کی مجلس میں کسی نے بچوں کو کھیلنے کی وجہ سے جھڑکا، انھوں نے کہا: انہیں نہ جھڑکو، ہم نے انہیں کی طرح حدیث سنی، تم بھی پہلے اسی طرح تھے، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا۔

کیا ''سرِدحدیث'' کا انداز روایتِ حدیث میں معتبر ہے؟

اگر کوئی سوال کرے کہ روایتِ حدیث میں ''سرِدحدیث'' کے طریقے پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرونِ اولیٰ میں احادیث وروایات ایسی تیز رفتاری سے پڑھ کر نقل نہیں کی گئیں، یہ انداز اس وقت اختیار کیا گیا جب کتابیں لکھی جاچکیں، تصنیفات منظرِ عام پر آگئیں اور احادیث وآثار مضبوطی اور عمدگی کے ساتھ محفوظ ہوگئے۔

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ''سرِدحدیث'' مختلف ذرائع میں سے صرف ایک ذریعۂ علم ہے، جس کا نمبر پہلی دو قسموں کے بعد آتا ہے۔ ان دو قسموں میں ضبط وتصحیح اور تشریح وتوضیح کا خیال رکھا جاتا ہے۔ مولانا محمد یونس جون پوری، شیخ محمد عوامہ، شیخ نورالدین عتر، شیخ عبدالوکیل ہاشمی، شیخ احمد علی سورتی اور شیخ یحییٰ ندوی وغیرہ ایسے شیوخ ہیں، جو پہلے دو طریقوں سے حدیث پڑھانے میں مشہور ہیں، عموماً ایسے ہی شیوخ سے ہم نے ''سرِدحدیث'' کے ذریعے کلامِ نبوی حاصل کیا۔ ہمارے دوستوں میں حدیث کی قراءت کرنے والے، جن کی قراءت کے ذریعے ہم نے حدیث سنی، بہت زیادہ ہیں۔ ان لوگوں نے اولین درجے میں عربی زبان کی نحو، صرف و بلاغت پر عبور حاصل کیا اور پہلے دو طریقوں کے مطابق حدیثِ نبوی کا علم حاصل کیا، اس کے بعد ''سرِدحدیث'' کی طرف متوجہ ہوئے......۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

فتنوں کے زمانہ میں ایمان کی اہمیت
اور اُس کی حفاظت کے طریقے

مولانا حفظ الرحمٰن دہلوی
فاضل جامعہ

اللہ تعالیٰ کی اس کائنات میں اَن گنت نعمتیں ہیں، ان نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ایمان کی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان میری نعمتوں کا شکر ادا کرے اور ان کی حفاظت کرے اور ان نعمتوں کے تقاضوں کو صحیح طریقوں سے پورا کرتے ہوئے اس کا اظہار کرے۔ ایمان کا شکر یہ ہے کہ ایک مسلمان اس کی حفاظت کرے اور اسے اپنے ساتھ قبر تک لے جائے، گویا اپنے اور دوسروں کے ایمان کی حفاظت کرنا یہ اہم ترین فریضہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس حوالے سے قرآن کریم میں ایمان والوں کو حکم دیا ہے:

’’یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ‘‘ (آل عمران:۱۰۲)

ترجمہ: ’’اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو، جیسا ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا۔‘‘

اور ایمان کا اظہار یہ ہے کہ ایمانی تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کی جائے، ایمانی صفات کے ساتھ زندگی گزارنے پر انسان کی دنیا وآخرت کی زندگی کی فلاح اور کامیابی کا دارومدار ہے اور جو دنیا میں نافرمانی والی زندگی گزارتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی دنیا کی زندگی تنگ کر دیتا ہے اور آخرت میں بھی سخت پکڑ کا سامنا ہوگا۔ کافروں کے بارے میں آتا ہے کہ کافر جب آخرت میں اللہ کے عذاب میں گھرے ہوں گے اور مسلمانوں کو جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا دیکھ کر بار بار یہ آرزو اور تمنا کریں گے کہ کاش! ہم بھی دنیا میں ایمان لے آتے، بلکہ یہ آرزو تو موت کے وقت سے ہی شروع ہو جائے گی، جب فرشتہ جان نکالنے کے لیے کھڑا ہوگا اور موت کے بعد کے حقائق آنکھوں کے سامنے آجائیں گے، اس وقت یہ آرزو کریں گے کہ کاش! ہم بھی ایمان والوں میں ہوتے اور آج موت کے بعد جس عذاب میں ہم مبتلا ہیں، اس سے محفوظ

رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کافروں کی اس آرزو کو اس طرح بیان کیا ہے:

''رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ'' (الحجر:۲)

ترجمہ: ''کافر لوگ بار بار تمنا کریں گے کہ کیا خوب ہوتا اگر وہ (دنیا میں) مسلمان ہوتے۔''

اس آیت کے فوائد کے ضمن میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے کافروں کی اس آرزو کے مواقع ذکر کیے ہیں:

①- دنیا و آخرت کا ہر وہ موقع جن میں کافروں کو نامرادی اور مسلمانوں کو کامیابی پیش آئے گی، کفار رو رو کر اپنے مسلمان ہونے کی تمنا اور نعمتِ اسلام سے محروم رہ جانے کی حسرت کریں گے۔

②- موت کے وقت جب عالم الغیب کا مشاہدہ ہوگا۔

③- جب بہت سے مسلمان اپنے گناہوں کے سبب دوزخ میں ہوں گے اور ایمان کی وجہ سے رحمتِ خداوندی کی بدولت جہنم سے چھٹکارہ حاصل کر کے جنت میں چلے جائیں گے۔

دنیا میں انسان اگر کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ کچھ مال دے کر اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرے، لیکن آخرت میں عذاب سے نجات کے لیے ایمان ضروری ہے، اس کے بغیر نہیں بچا جا سکتا، نہ کسی قسم کی رشوت چلے گی، بلکہ اگر فرض کریں وہاں کسی کے پاس مال ہو اور وہ درخواست کرے کہ میرے سے مال لے کر مجھے چھوڑ دیا جائے، تب بھی جان نہیں چھوٹے گی۔ ویسے تو ہر زمانے میں ایمان کی حفاظت ضروری رہی ہے، لیکن دورِ جدید میں جہاں ہر طرف مادیت کا ایک سیلاب ہے، ہر طرف سے فتنوں کی یلغار ہے، گویا ہر دن کوئی نہ کوئی فتنہ جنم لے رہا ہے، اس دور میں نیکی کرنا مشکل ہے تو نیکی کی حفاظت اس سے زیادہ مشکل ہے، گویا قربِ قیامت ہے کہ انسان کی دلی کیفیت رات دن کے تغیر کے ساتھ تبدیل ہو رہی ہے، مادی دنیا کی حصول کی خاطر اپنے ایمان کو ختم کر رہا ہے، اس کو حدیث شریف میں یوں تعبیر کیا ہے:

'' بادروا بالأعمال فِتنًا كَقِطَع الليْلِ المظلم، يُصبحُ الرجلُ مؤمِنا ويُمْسِي كافِرا، ويُمسِي مُؤمِنا و يُصبِحُ كافِرا، يَبيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ من الدُّنْيا. ''

(سنن الترمذي: ٤/ ٤٨٧)

ترجمہ: ''اعمالِ صالحہ میں جلدی کرو، قبل اس کے کہ وہ فتنے ظاہر ہو جائیں جو تاریک رات کے ٹکڑوں کی مانند ہوں گے (اور ان فتنوں کا اثر یہ ہوگا کہ) آدمی صبح کو ایمان کی حالت میں اُٹھے گا اور شام کو کافر بن جائے گا، اور شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کفر کی حالت میں اُٹھے گا، نیز اپنے دین کو دنیا کی تھوڑی سی متاع کے عوض بیچ دے گا۔''

گویا آج کے اس پرفتن دور میں انسان اپنی سب سے قیمتی متاع جس پر آخرت کی کامیابی وفلاح

موقوف ہے، دنیا کے چند ٹکوں کی خاطر ضائع کر رہا ہے۔ وہ دنیا جس کی ہر راحت و آسائش اور ہر تکلیف و مشقت کو فنا ہے اور موت کے وقت دنیا کی ہر چیز انسان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے، دنیا کی نعمتوں کی آخرت کی بیش بہا نعمتوں کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے، اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کیا ہے:

''بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی'' (الاعلیٰ:۱۶،۱۷)

ترجمہ: ''تم دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو، حالانکہ آخرت (دنیا سے) بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے۔''

آج جن فتنوں کا سامنا ہے، ان میں بہت سے تو دین کے نام پر اور اسلامی عنوانات اور شرعی اصطلاحات استعمال کر کے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں، کوئی جدیدیت کے نام پر عقائد کو کھوکھلا اور اعمال کو بے وزن کر رہا ہے، کوئی اکابر و اسلاف سے بیزاری پیدا کر رہا ہے، کوئی قرآنی آیات کی من مانی تشریح کر کے لوگوں کے لیے گمراہی کے اسباب تیار کر رہا ہے، کوئی احادیث کے متفقہ مفاہیم کو بگاڑ کر یہ باور کرا رہا ہے کہ اکابرینِ اُمت نے قرآن و حدیث کی صحیح تفسیر و تشریح نہیں کی اور خود ساختہ مفہوم نکال کر قرآن و حدیث کی تصریحات کی مخالفت کر رہا ہے، کوئی نزولِ مسیح علیہ السلام کا انکار کر رہا ہے، کوئی مہدویت کا دعوے دار بن کر اُمت کو گمراہ کر رہا ہے، غرض ہر طرف سے فتنہ پرور لوگ مسلمانوں کا ایمان خراب کر رہے ہیں اور ایمان کا سودہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں، یہ اُمت جتنا دورِ نبوی سے دور ہو رہی ہے، اتنا ہی فتنوں کے قریب ہو رہی ہے۔ فتنوں کا ایک سیلاب ہے جو تھمنے کا نام نہیں لے رہا، ہر ایک کسی نہ کسی شکل میں ان فتنوں کا شکار ہو رہا ہے۔

ایک حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''فَإِنِّي لَأَرَى الْفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ بُيُوتِكُمْ كَوَقْعِ الْقَطْرِ (المَطَرِ). ''

(صحيح البخاري-نسخة طوق النجاة، ص: ۱۰۲)

ترجمہ: ''میں دیکھ رہا ہوں کہ (عن قریب) تمہارے گھروں میں فتنے اس طرح برس رہے ہوں گے، جیسے بارش برستی ہے۔''

فتنہ کسے کہتے ہیں؟

ہر طرح کی آزمائش کو فتنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، مال و دولت کو بھی فتنہ کہا گیا ہے:

''وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ''

''اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے۔''

گویا ہر وہ چیز جو انسان کو اپنے رب سے غافل کر دے فتنہ ہے، شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتنہ کی تعریف یہ کی ہے کہ:

''باطل کو حق کی شکل میں کیا جائے، یہاں تک کہ عام آدمی کو حق اور باطل کے درمیان امتیاز کرنا

مشکل ہوجائے۔'' (تحفۂ قادیانیت جلد:۶،ص:۳۱۰)

فتنے مختلف ہیں، اس میں سے ایک انسان کا اندرونی فتنہ ہے، جس کی وجہ سے دل میں خرابی کا ہونا اور عبادت میں حلاوت کا نہ ہونا، اسی طرح کچھ خارجی فتنے ہیں، مثلاً گھر میں، اولاد میں، معاشرے میں فتنوں کا پیدا ہوجانا۔ فتنوں کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں، جن کا ذکر محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بصائر وعبر میں ایک جگہ کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

①-عملی فتنے

عملی فتنے یعنی گناہوں کی مختلف قسموں کا امت میں عام ہوجانا، جیسے: بے حیائی، شراب نوشی، سود خوری وغیرہ، جتنی ان برائیوں میں کثرت ہوگی، اتنا ہی نیکیوں میں کمی واقع ہوگی اور ان برائیوں کے اثرات سارے ہی اعمالِ صالحہ پر پڑیں گے۔

②-علمی فتنے

علمی فتنے جو علوم وفنون کے راستے سے آتے ہیں اور ان کا اثر براہِ راست عقائد پر پڑتا ہے، ان فتنوں کے ذریعہ الحاد وتحریف اور تشکیک کو عام کیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں ایک مسلمان اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔''

ہر چیز کی حفاظت کے لیے کچھ تدبیریں ہوتی ہیں، جس کے ذریعہ اس چیز کی حفاظت کی جاتی ہے، اسی طرح ایمان کی حفاظت کے لیے کچھ تدبیریں ہیں، جس کے ذریعے ہم اپنے ایمان کو بچا سکتے ہیں:

❶-انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کا مطالعہ

انبیاء علیہم السلام علیہم السلام کی دنیا میں بعثت کا مقصد ہی ایمان کی دعوت ہوتا ہے اور جس قدر آزمائش اس ایمان کی وجہ سے اُن پر آتی ہے، کسی اور پر نہیں آتی، اسی لیے انہیں ایمان کی سب سے زیادہ فکر ہوتی ہے، حالانکہ ان کا ایمان پر خاتمہ یقینی ہوتا ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ایمان پر خاتمہ کی دعا کرتے ہیں، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا فرمائی، جس کا ذکر سورۂ یوسف میں ہے:

''فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ'' (یوسف:۱۰۱)

ترجمہ: ''اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! آپ میرے کارساز ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، مجھ کو پوری فرمانبرداری کی حالت میں دنیا سے اُٹھا لیجیے اور مجھ کو خاص نیک

بندوں میں شامل کرلیجیے۔''

جس چیز کی اہمیت جس قدر زیادہ ہوتی ہے، اس کی تاکید اسی حساب سے کی جاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو ایمان کی فکر ہر چیز سے زیادہ تھی، اس لیے اپنی اولاد کو بھی اسی کی وصیت کرتے تھے کہ ایمان پر جمے رہنا اور اسی پر مرنا جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی تھی:

''وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ'' (بقرہ:۱۳۲)

ترجمہ: ''اور اسی کا حکم کر گئے ہیں ابراہیم (علیہ السلام) اپنے بیٹوں کو اور (اسی طرح) یعقوب (علیہ السلام) بھی، میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے اس دین (اسلام) کو تمہارے لیے منتخب فرمایا ہے، سوتم بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا۔''

❷ - اہلِ حق علماء اور صلحاء کی صحبت اور ان کی مجالس میں شرکت

ایمان کی حفاظت اور اعمالِ صالحہ کی پابندی اور اخلاق کی درستگی کے لیے اللہ والوں کی صحبت ضروری ہے، کیونکہ انسان کے اندر یہ خاصیت ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کے خیالات وحالات سے بہت جلد متاثر ہوتا ہے اور دوسروں کا اثر قبول کرتا ہے، اسی وجہ سے نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی دینِ اسلام میں بہت تاکید آئی ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں ایمان والوں کو اس بات کا حکم دیا کہ سچوں کی صحبت اختیار کرو:

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ'' (التوبۃ:۱۱۹)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ رہو۔''

نیک لوگوں کی صحبت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان ان کے احترام اور حیاء کی وجہ سے بہت سے گناہوں سے بچا رہتا ہے، بلکہ اہل اللہ کی صحبت حفاظتِ ایمان کا بھی ذریعہ ہے، اس حوالے سے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''صحبتِ اولیاء اللہ میں ایک خاص بات قلب میں ایسی پیدا ہوجاتی ہے کہ جس سے خروج عن الاسلام کا احتمال نہیں رہتا، خواہ گناہ اور فسق و فجور سبھی کچھ اس سے وقوع میں آئیں، لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے، مردودیت کی نوبت نہیں آتی، برخلاف اس کے ہزاروں برس کی عبادت میں بھی بذاتہٖ یہ اثر نہیں کہ وہ کسی مردودیت سے محفوظ رہے۔''

(حسن العزیز بحوالہ فضائل ایمان)

عوام کے ساتھ اہلِ علم کے لیے بھی اہلِ حق علماء کی صحبت ضروری ہے، ان کی صحبت کے بغیر اہلِ علم

کے اندر علم کی گہرائی، عمل کی پختگی، خدا خوفی، فکرِ آخرت، اخلاقی بلندی اور شرعی ذمہ داریوں کا احساس پیدا نہیں ہوتا، بلکہ فتنہ میں پڑنے کا شدید خطرہ رہتا ہے۔ آج کل کے بہت سے نام نہاد مفکرین اور اسلامی سکالر جنہیں اعدائے اسلام اور گمراہ لوگوں کی شاگردی میں رہنا نصیب ہوا، جس کے نتیجہ میں وہ ان کی زبان بولتے ہیں، اور ان کے ذہن سے سوچتے ہیں، اور کے اندر اعدائے اسلام کی محبت بسی ہوئی ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے اندر سے قبولِ حق کی توفیق سلب ہوگئی ہے، ان کا وجود امت کے لیے سراپا فتنہ بنا ہوا ہے۔

❸- اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت وفرمانبرداری اور برائیوں سے بچنا

ایمان کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ شریعت کی کامل پیروی کی جائے اور خلافِ شرع امور سے اپنے آپ کو بچایا جائے، کیوں کہ نیکی اور برائی کا اثر انسان کے دل پر پڑتا ہے اور دل کی خرابی کا اثر سارے جسم پر ہوتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث آتا ہے:

''اَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ.'' (صحیح بخاری)

ترجمہ: ''خبردار! بلاشبہ بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ ٹکڑا صالح رہتا ہے تو تمام بدن میں صالحیت رہتی ہے اور جب اس میں فساد پیدا ہوتا ہے تو پورے جسم کا نظام بگڑ جاتا ہے، خبردار! اور وہ ٹکڑا دل ہے۔''

جتنی نیک اعمال کی کثرت ہوگی ایمان میں اسی قدر مضبوطی ہوگی اور برائیاں جتنی زیادہ ہوں گی ایمان میں اسی حساب سے کمزوری ہوگی۔ آج ہم لوگ اچھی باتیں پڑھتے ہیں، سنتے ہیں، لیکن ہمارے دلوں پر ان کا اثر نہیں ہوتا، اس کی اصل وجہ گناہوں کی کثرت ہے۔

❹- تلاوتِ قرآن اور ذکر واذکار اور دعاؤں کا اہتمام

ایمان کی بقا اور فتنوں سے حفاظت کے لیے روزانہ قرآن کریم کی اور خصوصیت کے ساتھ جمعہ کے روز سورۃ الکہف کی تلاوت کا معمول اور صبح شام کے مسنون اذکار، موقع محل کی دعائیں اور ان دعاؤں کے مانگنے کا اہتمام کرنا چاہیے، جس میں ایمان ویقین کی حفاظت اور کفر وارتداد اور فتنوں سے پناہ مانگی گئی ہے، یہاں کچھ دعائیں ذکر کی جاتی ہیں:

①- ''اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ إِيْمَانًا صَادِقًا وَ يَقِيْنًا لَيْسَ بَعْدَهٗ كُفْرٌ.''

''اے اللہ! مجھے ایسا سچا ایمان اور یقین عطا فرمائیے جس کے بعد کفر (وارتداد) نہ ہو!''

②-’’اَللّٰھُمَّ إِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ.‘‘

’’اے اللہ! میں کفر سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔‘‘

③-’’یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰی دِیْنِكَ.‘‘

’’اے دلوں کو اُلٹنے پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر جمادیجیے۔‘‘

④-’’رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ‘‘

’’اے رب! نہ پھیر ہمارے دلوں کو جب تو ہم کو ہدایت کر چکا اور عنایت کر ہم کو اپنے پاس سے رحمت تو ہی ہے سب کچھ دینے والا۔‘‘

⑤-’’اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا، وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ.‘‘

’’اے اللہ! حق بات کی طرف ہماری رہنمائی فرما اور اس کی اتباع کرنے کی توفیق دے اور ہمیں باطل کو سمجھنے اور اس سے بچنے کی توفیق دے۔‘‘

5-فضائل وعقائد اور فتنوں کے متعلق کتابوں کا مطالعہ اور ان کی تعلیم

دینِ اسلام میں عقائد کی بڑی اہمیت ہے اور آخرت کی نجات عقیدہ کی درستگی پر موقوف ہے، اس اہمیت کی وجہ سے نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کا حکم دیا گیا ہے، تا کہ ابتدا سے ہی بچہ کو عقیدۂ توحید و رسالت کی تلقین ہو جائے اور جب بچہ بولنا شروع کرے تو پہلی بات جو اُسے سکھائی جائے وہ عقیدۂ توحید پر مشتمل کلمہ ہو، جیسا کہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کے متعلق یہ تعلیمات دی ہیں کہ: ’’جب تمہاری اولاد بولنے لگے تو ان کو ’’لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ‘‘ سکھاؤ‘‘، جب اس کے اندر کچھ سمجھ بوجھ پیدا ہو تو اس کلمہ کا مطلب اور معنی سکھایا جائے، یہ کلمہ اسلام کے تمام عقائد کو شامل ہے، گویا جو شخص اس کلمہ کا اقرار کرتا ہے، اس کے لیے ہر اس بات پر دل وجان سے ایمان لانا فرض ہو جاتا ہے، جو اللہ اور اس کے رسول نے بتلائی ہیں، آج کل بہت سے مسلمان اپنے بچوں کو دینی تعلیم اور اسلامی عقائد نہیں سکھاتے، بلکہ خود بھی ان سے ناواقف ہوتے ہیں، اس ناواقفیت کی وجہ سے بسا اوقات اسلامی عقائد کا انکار کر کے اسلام کے دائرہ سے نکل جاتے ہیں، اس لیے عقائد پر مشتمل کتابوں کا مطالعہ اور تعلیم ضروری ہے کہ اس سے عقائد کی درستگی رہتی ہے۔ فضائل کی کتابوں کی تعلیم و مطالعہ سے اچھے اعمال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات اور نہ کرنے پر وعیدیں سامنے آتی ہیں، برے اعمال کا انجام، دنیا کی حقیقت، موت کے بعد

کے مراحل، قبر اور آخرت، جنت، جہنم کے احوال سامنے آتے ہیں، جس کی وجہ سے نیک اعمال کرنے کا شوق اور برے اعمال سے بچنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔

فتنوں کے متعلق احادیث میں ''کتاب الفتن'' ایک مستقل عنوان ہے، جس میں آپ ﷺ نے فتنوں سے متعلق اپنی امت کی رہنمائی کی ہے اور ان سے بچنے کے بارے میں ہدایات دی ہیں کہ ان سے کیسے بچا جائے؟ ان کے مطالعہ سے فتنوں سے آگاہی حاصل ہوتی اور اس سے بچنے کے لیے جو تدابیر بتلائی گئی ہیں وہ بھی سامنے آجاتی ہیں، اس حوالے سے دو کتابوں کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا:

①- دورِ حاضر کے فتنے اور اُن کا علاج (محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ)۔

②- حدیثِ نبوی اور دورِ حاضر کے فتنے (شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، تخریج وتشریح: مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان مفتاحی)۔

اس کے ساتھ آج کل جو گمراہ فرقے مسلمانوں کا ایمان خراب کر رہے ہیں، اِلحاد اور تشکیک پیدا کر رہے، ان کے بارے میں علماء نے جو کتابیں لکھی ہیں ان کو بھی سامنے رکھنا چاہیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ گھروں میں اس طرح کی کتابوں کا مطالعہ اور تعلیم سے ایمان کی پختگی اور فتنوں سے حفاظت اور دین کی سمجھ اور اسلام کی پاکیزہ تعلیمات پر عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

❻- ایمان کی حفاظت اور فتنوں سے بچنے کے متعلق بزرگوں کی نصیحتوں پر عمل کیا جائے

یہاں ایک نصیحت ذکر کی جاتی ہے زمانہ فتن کے متعلق، جسے حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ محمد زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ نے کی تھی، جو سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہے:

''وإني أرجوكم مراعاة قول جدكم: كُنْ في الفتنةِ كابنِ اللّبون؛ لا ضرعٌ فيُحلَب، ولا ظهرٌ فيُركَب.'' (رسائل الإمام محمد زاهد الكوثري إلى العلامة محمد يوسف البنوري رحمهما الله تعالى)

''مجھے اُمید ہے کہ آپ اپنے دادا (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے اس فرمان کو ملحوظ رکھیں گے: ''فتنے (کے زمانے) میں اس دو سالہ اونٹ کی مانند ہو جاؤ جو دودھ دے سکے نہ سواری کے قابل ہو۔''

یعنی ان فتنوں سے بچنے کی اس حد تک کوشش کیجیے کہ فتنہ پرور لوگ آپ کو کسی طرح استعمال نہ کر سکیں۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے اور ہر طرح کے فتنوں سے بچائے، آمین یا رب العالمین بجاہِ سید المرسلین!

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

لا حول ولا قوة إلا بالله کے فضائل

مولانا عصمت اللہ نظامانی
متخصصِ علومِ حدیث، جامعہ

نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ورضامندی کے حصول، آخرت کی ابدی ودائمی نعمتیں پانے، جنت میں بلند درجات حاصل کرنے اور کم وقت میں زیادہ ثواب حاصل کرنے کے لیے مختلف اعمال واذکار بیان فرمائے ہیں، اور انہیں کرنے کی ترغیب وتاکید کی ہے۔ انہی اذکار واوراد میں سے ایک ''لا حول ولا قوة إلا بالله'' کا ورد ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں اس کلمہ کے بہت فضائل وارد ہوئے ہیں، یہ کلمہ دنیا وآخرت کی بہت سی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ ہے، لہٰذا ذیل میں اس کے فضائل ذکر کیے جارہے ہیں۔

لا حول ولا قوة إلا بالله کا مفہوم

لا حول ولا قوة إلا بالله کا ترجمہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ: ''گناہوں سے بچنے کی طاقت اور اچھے اعمال کرنے کی قوت صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ذریعہ ہے۔''

اس کلمہ کے معنی ومفہوم میں غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ اس کلمہ کے ذریعے بندہ اپنی صلاحیت، لیاقت اور قدرت کی نفی کرتا ہے، ہر خوبی واچھائی کا اپنی ذات سے انکار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی محتاجی ظاہر کرتا ہے، اور اپنی عاجزی وانکساری کا برملا اقرار اور اپنی بےبسی ولاچاری کا کھلے الفاظ میں اعتراف کرتا ہے۔ اور بزبانِ حال کہتا ہے کہ اے اللہ! میں ایک عاجز وکمزور بندہ ہوں، مجھے گناہوں سے بچنے اور اچھے اعمال کرنے کی توفیق عطا فرما؛ کیونکہ آپ کے علاوہ کوئی نہیں جو انسان کو گناہوں اور برے کاموں سے بچاسکے، اور نیک اعمال کرنے کی قوت دے سکے۔

الغرض یہ کلمہ یعنی ''لا حول ولا قوة إلا بالله'' الفاظ کے اعتبار سے مختصر ہے، لیکن اس کا مفہوم بہت وسیع ہے، اور اللہ تعالیٰ حمد وثناء کو عمدہ طریقہ سے اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ اسی وجہ سے احادیثِ مبارکہ میں لا حول ولا قوة إلا بالله کا کثرت سے وِرد کرنے کی بہت تاکید آئی ہے۔

لا حول ولا قوۃ إلا باللہ جنت کا خزانہ

متعدد احادیث مبارکہ میں لا حول ولا قوۃ إلا باللہ کو جنت کا خزانہ کہا گیا ہے، چنانچہ بخاری شریف وغیرہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے، جب وہ کسی بلندی پر چڑھتے یا کسی وادی میں اُترتے تو باآوازِ بلند تکبیر کہتے، یہ دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"أيها الناس اربعوا على أنفسكم، فإنكم لا تدعون أصم ولا غائبا، ولكن تدعون سميعًا بصيرًا."

ترجمہ: "اے لوگو! اپنے اوپر نرمی کرو، کیونکہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے، بلکہ تم اس کو پکارتے ہو جو سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ فرما کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، اس وقت میں اپنے دل میں "لا حول ولا قوۃ إلا باللہ" کہہ رہا تھا تو آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام لے کر فرمایا کہ اے عبداللہ بن قیس!

"ألا أدلك على كلمة هي كنز من كنوز الجنة؟ لا حول ولا قوة إلا بالله"(۱)

ترجمہ: "میں تمہیں ایسا کلمہ نہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، وہ "لا حول ولا قوۃ إلا باللہ" ہے۔"

اس حدیث شریف میں ترغیب دی گئی ہے، جس طرح انسان کی کوشش اور خواہش ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ خزانہ جمع کرے؛ تاکہ دنیا میں خوشحال اور عیش وراحت سے زندگی گزارے، اسی طرح انسان کو چاہیے کہ وہ اس کلمہ یعنی "لا حول ولا قوۃ إلا باللہ" کا کثرت سے ورد کرے، تاکہ آخرت میں ابدی راحت نصیب ہو، جنت میں اعلیٰ درجات اور زیادہ نعمتوں کا حصول ہو۔

"لا حول ولا قوۃ إلا باللہ" جنت کا دروازہ

"لا حول ولا قوۃ إلا باللہ" کی ایک فضیلت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جنت کا دروازہ کہا ہے، چنانچہ مشہور صحابی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے فرزند قیس بن سعد سے روایت ہے کہ ان کے والد نے انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پر مامور کیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں دو رکعت نماز پڑھ کر فارغ ہوا اور لیٹنے لگا تو اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور مجھے متوجہ کر کے فرمایا:

"ألا أدلك على باب من أبواب الجنة؟ قلت: بلىٰ؟ قال: لا حول ولا قوة إلا

باللہ.‘‘(۲)

ترجمہ: ’’کیا میں تمہیں جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے کے متعلق نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! بتائیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’لا حول ولا قوۃ إلا باللہ.‘‘

اور یہی فضیلت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں بھی ہے۔ (۳)

ایک دوسری حدیث میں مزید یہ بات بھی آئی ہے کہ جب بندہ ’’لا حول ولا قوۃ إلا باللہ‘‘ کہتا ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ’’أسلم عبدي واستسلم‘‘ یعنی میرے بندے نے فرمانبرداری کی اور سرِ تسلیم خم کیا۔ مکمل حدیث درجِ ذیل ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال: ألا أعلمك – أو قال: ألا أدلك – علی کلمۃ من تحت العرش من کنز الجنۃ؟ تقول: لا حول ولا قوۃ إلا باللہ، فیقول اللہ عز وجل: أسلم عبدي واستسلم.‘‘(۴)

ترجمہ: ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسا کلمہ نہ بتادوں جو عرش کے نیچے جنت کے خزانہ میں سے ہے؟ تم لا حول ولا قوۃ إلا باللہ کہو، جسے سن کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے فرمانبرداری کی اور سرِ تسلیم خم کیا۔‘‘

’’لا حول ولا قوۃ إلا باللہ‘‘ جنت کا درخت

’’لا حول ولا قوۃ إلا باللہ‘‘ کا کثرت سے ورد کرنے کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی نصیحت فرمائی ہے، اور اسے جنت کا درخت کہا ہے، جیسا کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شبِ معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

’’مر أمتك أن یکثروا غراس الجنۃ، فإن تربتها طیبۃ، وأرضها واسعۃ، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لإبراهیم: وما غراس الجنۃ؟ ، قال: لا حول ولا قوۃ إلا باللہ.‘‘(۵)

ترجمہ: ’’اپنی امت کو حکم کیجئے کہ وہ کثرت سے جنت کے پودے لگائیں؛ کیونکہ جنت کی مٹی عمدہ اور زمین کشادہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ جنت کے پودوں سے کیا مراد ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ ’’لا حول ولا قوۃ إلا باللہ‘‘ کہنا۔‘‘

’’لا حول ولا قوة إلا باللّٰه‘‘ ننانوے بیماریوں سے نجات

’’لا حول ولا قوة إلا باللّٰه‘‘ کی ایک بڑی فضیلت یہ بھی ہے کہ یہ کلمہ ننانوے بیماریوں اور تکالیف سے نجات کا ذریعہ ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

’’من قال لا حول ولا قوة إلا بالله، كان دواء من تسعة وتسعين داء أيسرها الهمّ.‘‘(۶)

یعنی ’’لا حول ولا قوة إلا باللّٰه‘‘ ننانوے (دنیوی واُخروی) بیماریوں کی دوا ہے، جن میں سب سے ادنیٰ اور ہلکی بیماری غم ہے۔‘‘

اسی طرح ایک دوسری روایت میں بھی یہ فضیلت آئی ہے، چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ریت کی تپش اور گرمی کی شکایت کی، اور چاہا کہ ظہر کی نماز کچھ ٹھنڈ میں پڑھی جائے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شکایت کا لحاظ نہیں فرمایا، اور اسے دور نہیں کیا، اور فرمایا:

’’أكثروا من قول لا حول ولا قوة إلا بالله، فإنها تدفع تسعة وتسعين بابًا من الضر، أدناها الهمّ.‘‘(۷)

ترجمہ: ’’لا حول ولا قوة إلا باللّٰه‘‘ کثرت سے پڑھا کرو؛ کیونکہ وہ ننانوے تکلیفوں کو دور کرتا ہے، جن میں سے سب سے ادنیٰ تکلیف پریشانی ہے۔‘‘

’’لا حول ولا قوة إلا باللّٰه‘‘ اور رزق کی کشادگی

’’لا حول ولا قوة إلا باللّٰه‘‘ کا ورد کرنے اور اسے پڑھنے سے اجر وثواب کے ساتھ دنیاوی تکالیف سے نجات اور نعمتوں کا حصول بھی ہوگا، چنانچہ یہ کلمہ فقر وفاقہ اور تنگدستی سے حفاظت اور رزق کی کشادگی کا باعث بھی ہے، جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

’’من أبطأ عنه رزقهٗ فليكثر من قول: لا حول ولا قوة إلا بالله.‘‘(۸)

یعنی ’’جس شخص کو رزق کی تنگی ہو تو اسے چاہیے کہ وہ کثرت سے ’’لا حول ولا قوة إلا باللّٰه‘‘ کہے۔‘‘

’’لا حول ولا قوة إلا باللّٰه‘‘ بقائے نعمت کا ذریعہ

’’لا حول ولا قوة إلا باللّٰه‘‘ کے فضائل میں سے ایک بڑی فضیلت یہ ہے کہ اس کا بکثرت ورد کرنے سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا دوام اور استمرار حاصل ہوگا، بندہ ان سے محروم نہیں ہوگا؛ کیونکہ احادیث میں اسے دنیا وآخرت کی نعمتوں کے بقا ودوام کا سبب قرار دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نبی

کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

’’من أنعم الله عليه بنعمة، فأراد بقاءها، فليكثر من قول: لا حول ولا قوة إلا بالله، ثم قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم: ’’ وَلَوْلَآ إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ۔ ‘‘(۹)

ترجمہ: ’’جس شخص کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا فرمائے اور وہ اس کے باقی رہنے کا خواہشمند ہو تو اس کو چاہیے کہ لا حول ولا قوة إلا بالله کثرت سے پڑھے، پھر حضور اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ’’وَلَوْلَآ إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ‘‘ (الکہف:۳۹) ’’اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تھے تو تم نے ’’ماشاء الله لا قوة إلا بالله‘‘ کیوں نہ کہا؟‘‘ (یعنی جو اللہ چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے، اللہ کی توفیق کے بغیر کسی میں کوئی طاقت نہیں)۔‘‘

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ احادیثِ مبارکہ میں ’’لا حول ولا قوة إلا بالله‘‘ پڑھنے کی بہت تاکید آئی ہے، اور اس کے دنیاوی واُخروی بہت سے فوائد وفضائل حضور اکرم ﷺ نے بیان فرمائے ہیں، لہٰذا ہم سب کو چاہیے کہ کثرت سے اس مبارک کلمہ کا ورد کریں۔

حواشی وحوالہ جات

١- صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب الدعاء إذا علا عقبة، رقم الحديث: ٦٣٨٤، (٨/٨٢)، الناشر: دار طوق النجاة، ط: ١٤٢٢ھ

٢- سنن الترمذي، (٥/٤٦٣)، أبواب الدعوات، باب في فضل لا حول ولا قوة إلا بالله، رقم الحديث: ٣٥٨١، الناشر: دار الغرب الإسلامي- بيروت، ط: ١٩٩٨م

٣- مسند أحمد، (٣٦/٣٢١)، حديث معاذ بن جبلؓ، رقم الحديث: ٢١٩٩٦، الناشر: مؤسسة الرسالة- بيروت، ط: ١٤٢١ھ- ٢٠٠١م

٤- المستدرك على الصحيحين للحاكم، (١/٧١)، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ٥٤، الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت، ط: ١٤١١ھ- ١٩٩٠م

٥- صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان، (٣/١٠٣)، باب الأذكار، رقم الحديث: ٨٢١، الناشر: مؤسسة الرسالة- بيروت، ط: ١٤١٤ھ- ١٩٩٣م

٦- المستدرك على الصحيحين للحاكم، (١/٧٢٧)، كتاب الدعاء والتكبير، رقم الحديث: ١٩٩٠م

٧- المعجم الأوسط للطبراني، (٤/٣٣)، باب الحاء، من اسمه الحكم، رقم الحديث: ٣٥٤١

٨- المعجم الأوسط للطبراني، (٦/٣٣٣)، باب الميم، من اسمهٗ محمد، رقم الحديث: ٦٥٥٥

٩- المعجم الأوسط للطبراني، (١/٦٥)، باب الألف، من اسمه أحمد، رقم الحديث: ١٥٥، الناشر: دار الحرمين- القاهرة

درسِ نظامی اور دینی مدارس کے مقاصد و موضوع

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی
لیکچرر کمپیوٹر سائنس ڈیپارٹمنٹ، (سی آئی ٹی) آئرلینڈ

مدارسِ دینیہ کے مقصد کے متعلق بعض حضرات خلطِ مبحث کا شکار ہیں۔ جس طرح مختلف کالجز اور یونیورسٹیوں کا مقصد ایک خاص قسم کی تعلیم دینا ہے، اسی طریقے سے مدارسِ دینیہ کا بھی اپنا ایک علیحدہ مقصد ہے۔ مدارسِ دینیہ کا مقصد دینی علوم کے ماہرین یعنی علمائے کرام اور مفتیانِ کرام تیار کرنا ہے۔

اس بات کو ایک مثال سے سمجھنے میں سہولت ہوگی۔ دیکھیں! اقوامِ متحدہ کے ذیلی ادارے ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن یعنی عالمی ادارہ صحت کے ۲۰۲۰ء کے اعداد و شمار کے مطابق سرطان یعنی کینسر دنیا بھر میں اموات کی سب سے بڑی وجہ ہے اور ۲۰۲۰ء میں دنیا بھر میں ۲۰ ملین اموات (دو کروڑ اموات) کینسر کی وجہ سے ہوئیں۔ نیز ۲۰۲۲ء کے عالمی ادارہ صحت کے اعداد و شمار یہ ظاہر کرتے ہیں کہ پاکستان میں تقریباً سوا لاکھ اموات مختلف اقسام کے کینسر کی وجہ سے ہوئیں۔ کینسر سے ہونے والی اموات کی تعداد کم کرنے کے لیے ایک شخص یہ سوچتا ہے کہ طبی سہولیات میں بہتری اور طبی ماہرین کی تعداد بڑھائی جانی چاہیے۔ یہ شخص سوچتا ہے کہ چونکہ اس وقت پاکستان میں کئی ہزار وکلاء، کئی لاء کالجز اور یونیورسٹیاں بھی موجود ہیں، اور کورٹ کچہریوں میں ہزاروں کیس زیرِ التواء پڑے ہیں، سائلین کو بروقت انصاف کی فراہمی میں مشکل پیش آتی ہے، لہٰذا یہ شخص کہتا ہے کہ لاء کالجز و یونیورسٹیوں میں فرسودہ قانون کی تعلیم دی جاتی ہے، بعض قوانین انگریز کے زمانے یعنی ڈیڑھ دو سو سالہ پرانے ہیں اور یہ معاشرے سے ریلیونس Relevance یعنی مناسبت و تعلق نہیں رکھتے، نہ ہی ان کا معاشرے کو کوئی فائدہ ہے، لہٰذا کوشش کی جائے اور لاء کالجز کے تعلیمی نصاب کو تبدیل کیا جائے، آج کل کے دور کے مطابق اس نصاب کو امریکی و یورپی میڈیکل یونیورسٹیوں کے طرز پر ڈھالا جائے اور وکلاء کو عصری طبی علوم کی تعلیم دی جائے۔ ایسا کر کے یہ وکلاء برادری معاشرے کے کارآمد شہری بن سکتے ہیں اور معاشرے میں ہم طبی ماہرین کی معتد بہ تعداد پیدا کر سکیں گے جو کہ عالمی و ملکی سطح

پر کینسر سے ہونے والی اموات میں کمی لاسکیں گے۔ نیز ایسا کرنے سے معاشرہ کے ملی مقاصد اور طبی ضروریات پورے کرنے میں بھی مدد ملے گی اور ''قانون وطب کا حسین امتزاج'' کا خواب بھی پورا ہوگا۔

ظاہری طور پر یہ سوچ مخلصانہ لگتی ہے، مگر یہ خلطِ مبحث ہے۔ دیکھیے! طبی ماہرین کی اپنی اہمیت ہے اور وکلاء، لاء کالجز و یونیورسٹیوں اور قانون کی تعلیم کی اپنی اہمیت ہے۔ کسی ایک شعبے کی اہمیت کا اقرار کرتے ہوئے ہم دوسرے شعبے کی اہمیت سے انکار نہیں کرسکتے، لہٰذا یہ سوچنا کہ لاء کالجز کو ہی بند کردیا جائے، اور وکلاء کو ہی مطعون و بدنام کیا جائے کہ آپ معاشرے کے کارآمد شہری نہیں ہیں، ایسی سوچ غیر مناسب ہوگی۔ یہ سوچ بھی نامناسب ہوگی کہ چونکہ لاء کالجز اور یونیورسٹیوں سے قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بعض نوجوان وکیلوں کو فوراً کوئی جاب نہیں ملتی اور مالی دشواریاں پیش آتی ہیں، لہٰذا لاء کالجز و یونیورسٹیوں کے نصاب میں ہی طبی تعلیم کے نصاب کو شامل کیا جائے۔ ایسا کرنے سے فارغ التحصیل طلبائے کرام میں نہ ہی قانون کی تعلیم میں پختگی ہوگی اور نہ ہی میڈیکل سائنس میں انہیں گہرائی وعبور حاصل ہوگا، بلکہ ایسی تعلیم سے اُلٹا نقصان ہوگا۔

دیکھیے! اگر کینسر سے اموات کو کم کرنا ہی ہے تو اس کے لیے حکومتی سطح پر پالیسی بنائی جائے، عوام میں کینسر سے متعلق شعور وآگہی بڑھائی جائے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میڈیکل ریسرچ پر خطیر سرمایہ خرچ کیا جائے، تاکہ کینسر کے مرض کی بروقت تشخیص ممکن ہو۔ نیز میڈیکل یونیورسٹیوں میں اعلیٰ معیار کی تعلیم ہو، ان کا نصاب عالمی معیار کی طبی یونیورسٹیوں سے ہم آہنگ ہو، میڈیکل ریگولیٹری ادارے اپنے فرائض تندہی سے انجام دیں، اور سب سے بڑھ کر ایسے میڈیکل ڈاکٹر اور طبی ماہرین پیدا کیے جائیں جو کہ اپنے شعبے میں مہارت رکھتے ہوں، عالمی معیار کی تحقیق کرتے ہوں، ان میں ملک وملت اور انسانیت کی خدمت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہو اور پھر وہ اپنی تمام تر صلاحیتیں لگا کر کینسر سے ہونے والی اموات میں کمی لانے میں صرف کریں۔ خلاصہ یہ کہ اگر کسی کو کینسر سے ہونے والی اموات کے بارے میں فکر ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اموات کی یہ تعداد کم ہو تو وہ موجودہ طبی نظام ہی کو مضبوط اور بہتر کرنے کی کوشش کرے، چہ جائیکہ لاء کالجز کے نصاب میں میڈیکل کا نصاب داخل کرے۔

قارئین! ہماری مندرجہ بالا مثال کو ذہن میں رکھتے ہوئے غور فرمائیں کہ مدارسِ دینیہ سے متعلق بھی بعض لوگوں کو خلطِ مبحث ہوچکا ہے۔ دیکھیے! جس طریقے سے لاء کالجز اور لاء یونیورسٹیوں کا مقصد قانون کی تعلیم دینا ہے، اسی طریقے سے مدارسِ دینیہ کا بھی اپنا ایک علیحدہ مقصد ہے۔ مدارسِ دینیہ سے متعلق یہ سوچنا کہ یہاں سے انجینئر، میڈیکل ڈاکٹر، سرجن، سائنسدان، محقق، معاشی ماہرین، اور آرٹیفیشل انٹیلی جنس

یعنی مصنوعی ذہانت کے ماہر نکلیں گے، یہ سراسر غلط سوچ ہے۔ جس طریقے سے لاء کالجز کے نصاب میں جدید طب کے نصاب کو شامل نہیں کیا جاسکتا، اسی طریقے سے مدارسِ دینیہ کے نصاب میں کسی دوسرے سائنسی شعبے مثلاً انجینئرنگ، میڈیکل سائنس، معاشیات، کمپیوٹر سائنس، مصنوعی ذہانت و دیگر سائنسی شعبوں کے نصاب کو شامل نہیں کیا جاسکتا۔ جس طریقے سے لاء کالجز سے قانونی ماہرین ہی نکلیں گے، میڈیکل یونیورسٹیوں سے میڈیکل ڈاکٹر اور سرجن ہی نکلیں گے، انجینئرنگ یونیورسٹیوں سے انجینئر ہی نکلیں گے، اسی طریقے سے مدارسِ دینیہ سے بھی دینی علوم کے ماہرین، یعنی علمائے کرام اور مفتیانِ کرام ہی نکلیں گے۔

ایک اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ لاء کالجز میں تعلیم حاصل کرنے والوں کو کسی حد تک انگریزی اور کمپیوٹر کے بنیادی اسکلز یعنی ہنر آتے ہیں، اسی طریقے سے مدارسِ دینیہ سے فارغ ہونے والے علمائے کرام اور مفتیانِ کرام کو انگریزی اور کمپیوٹر کے بنیادی اسکلز آنے چاہئیں۔

دیکھیے! انگریزی تعلیم اور کمپیوٹر کے بنیادی اسکلز کی اہمیت اور ضرورت کے درجے میں ان کے استعمال سے کوئی انکار نہیں کررہا۔ اگر لاء کالج سے قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تھوڑی انگریزی اور کمپیوٹر سیکھ لینے کے بعد کوئی یہ سوچے کہ وہ کمپیوٹر سائنسدان، مصنوعی ذہانت کا ماہر، میڈیکل سرجن، معاشی ماہر یا انجینئر بن چکا ہے، اور تھوڑی بنیادی انگریزی و کمپیوٹر کے اسکل یعنی ہنر سیکھ کر قانون کی تعلیم حاصل کرنے والا دیگر سائنسی شعبوں میں زندگی کھپانے والوں کا مقابلہ کرسکتا ہے، تو جس طریقے سے یہ سوچنا غلط ہے، اسی طریقے سے مدارسِ دینیہ کے طلبائے کرام کو انگریزی اور چند کمپیوٹر اسکلز سکھانے کے بعد یہ دعویٰ کرنا کہ یہاں سے عالمی سطح کے سائنسدان، محققین، انجینئر، میڈیکل سرجن، معاشی ماہرین وغیرہ نکلیں گے، یہ بھی بالکل غلط سوچ ہے۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

اسی کا شاخسانہ ہے کہ آج عملی طور پر جو لوگ ''دینی وعصری علوم کا حسین امتزاج'' کی دو کشتیوں میں سوار ہیں، اُن میں سائنسی علوم میں گہرائی اور عالمی معیار کی سائنسی تحقیق کا فقدان ہے۔ کہنے کو تو یہ لوگ ''ڈاکٹر'' یا ''انجینئر'' یا ''فنانشل ایکسپرٹ'' بھی ہیں اور مدراسِ دینیہ کے فاضل بھی، مگر سائنسی میدان میں عالمی سطح پر ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ دراصل سائنس کے عنوان سے چند مدارسِ دینیہ میں ایسے لوگوں کی کھیپ تیار ہونا شروع ہوچکی ہے جو کہ سائنس کی مخالفت کررہے ہیں اور سائنس کے لبادے میں ایسی سائنسی تحقیق و مقالے شائع کررہے ہیں جن کو پڑھ کر عالمی سطح پر پاکستان کا نام اور بالخصوص مدارسِ دینیہ کا نام بدنام ہورہا ہے۔ غرض ایسے لوگوں کو نہ دینی علوم میں گہرائی حاصل ہے اور نہ ہی سائنسی علوم میں گہرائی، الا ماشاء اللہ، ''نہ

اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے۔‘‘

مدارسِ دینیہ کے موضوع و مقصد کو سمجھنے کے لیے ہم ایک اقتباس پیش کرتے ہیں:

’’حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بعد کی بات ہے اور اس وقت اُن کے فرزند ارجمند حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ دار العلوم دیوبند کے مہتمم تھے، مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے والد ہیں۔ اب اس زمانے میں انگریزی مستحکم ہوچکی تھی اور ریاستیں بن چکی تھیں اور سارا سسٹم ڈویلپ ہو چکا تھا۔ اس زمانے میں ریاستیں تھیں اور ان میں سب سے مالدار ریاست حیدر آباد دکن کی ریاست تھی، حضرت حافظ صاحبؒ بحیثیت مہتمم دار العلوم دیوبند دکن کے سفر پر گئے تو وہاں کے نواب صاحب سے ملاقات ہوئی، نواب صاحب نے استقبال اور دعوت بھی کی ہوگی، اس کے ساتھ ایک پیشکش بھی کی کہ ’’حضرت! ہم نے تجربہ کیا ہے کہ آپ کے پڑھے ہوئے بچے جہاں جاتے ہیں ہم اُن کو سروسز میں لگاتے ہیں تو وہ کارکردگی، دیانت اور صلاحیت میں بھی دوسروں سے بہتر ثابت ہوتے ہیں، یہ ہمارا تجربہ ہے، لہٰذا مجھے یہ خواہش پیدا ہوئی ہے کہ آپ ہمارے ساتھ معاہدہ کرلیں کہ جتنے فارغ طلباء ہیں انھیں ہمارے پاس بھیج دیں، ہم انھیں ملازمتیں دیں گے، اور آپ کا سارا خرچہ ہم دیں گے۔‘‘

وہ زمانہ اچھا تھا، حافظ صاحبؒ نے فوراً معاہدہ نہیں کیا؛ بلکہ فرمایا کہ: پہلے ہم اپنے بزرگوں سے پوچھ لیں۔ حافظ صاحبؒ واپس آئے، اس وقت دیوبند میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس تھے اور حافظ احمد صاحبؒ مہتمم تھے، تو انھوں نے حضرت شیخ الہندؒ سے ذِکر کیا کہ نواب صاحب نے یہ پیشکش کی ہے؛ لہٰذا ہمارے تو دونوں مسئلے حل ہو گئے ہیں۔ آج کا سب سے بڑا مسئلہ بھی یہ ہے کہ کھپنا کدھر ہے، کیا دورۂ حدیث کرنے کے بعد ملازمت ملے گی؟ اور چندے سے جان بھی چھوٹ جائے گی۔ مہتمم کو اور کیا چاہیے! دونوں مسئلے حل ہو گئے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے پوچھا کہ: ’’مولوی احمد! وعدہ تو نہیں کر آئے؟‘‘ انھوں نے فرمایا: ’’نہیں حضرت! مجھے آپ سے پوچھنا تھا۔‘‘ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا: ’’ایسا کرو کہ گنگوہ جاؤ، ہمارے بڑے وہ (حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) ہیں، ان کو جا کر سنا دو۔‘‘ اس زمانے میں یہ ماحول تھا، گنگوہ وہاں سے کئی میل کے فاصلے پر ہے، لہٰذا حافظ صاحبؒ وہاں گئے اور حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں ساری بات پیش کی اور ویسے بھی وہ حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد تھے۔

حضرت گنگوہیؒ نے پوچھا: ’’مولوی احمد! اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟‘‘

مولانا احمد صاحبؒ نے کہا: ’’حضرت! ہمارے دونوں مسئلے حل ہو سکتے ہیں، فارغ ہونے والوں کی ملازمتوں اور مدرسہ کے خرچے کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے، میرا خیال ہے کہ پیشکش قبول کر لینی چاہیے۔ ‘‘ حضرت گنگوہیؒ کا جملہ حضرت مفتی صاحبؒ نے نقل کیا ہے، میں عرض کر دیتا ہوں، فرمایا: ’’احمد! میں تجھے بے وقوف تو سمجھتا تھا؛ مگر اتنا نہیں، اللہ کے بندے! ہم نے یہ مدرسے نواب حیدرآباد کی ریاست چلانے کے لیے بنائے ہیں؟ بلکہ ہم نے اس لیے بنائے ہیں کہ مسلمانوں کو مسجد میں امام، خطیب، مفتی، مدرس، حافظ اور قاری ملتا رہے۔ بھاڑ میں جائے حیدرآباد کی ریاست، ہم نے مدرسے اس لیے بنائے ہیں کہ مسجدیں آباد رہیں، قرآن پاک کی تعلیم چلتی رہے، لوگوں کو مسئلے بتانے والے ملتے رہیں، ہمیں (اس پیشکش کی) ضرورت نہیں ہے۔‘‘ (حوالہ: قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ: تعارف وخدمات - خطاب از حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہ، ماہنامہ دار العلوم، شمارہ: ۲، جلد: ۱۰۷، رجب المرجب ۱۴۴۴ھ مطابق فروری ۲۰۲۳ء)

قارئین! مدارسِ دینیہ کے مقاصد و موضوع بالکل واضح ہیں۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ:

’’ہماری دینی درسگاہوں کا اصل موضوع علومِ کتاب وسنت ہیں، انہیں کی افہام وتفہیم، تعلُّم و تعلیم، توضیح وتشریح، تعمیل واتباع اور تبلیغ ودعوت اور ایسے رجال کار پیدا کرنا ہے جو اس تسلسل کو قائم رکھ سکیں، بس یہی ان مدارس کا مقصودِ اصلی ہے۔‘‘ (حرفِ آغاز، ماہنامہ دار العلوم، ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ، مطابق مئی ۲۰۰۷ء)

بعض حضرات دینی مدارس کے نظام و نصاب میں ترجیحات و اصلاحات کے قائل ہیں، مگر یہ حضرات ان مدارسِ دینیہ کے مقاصد وموضوع کی تشریح کرتے ہوئے اتنے آگے نکل چکے ہیں کہ ان حضرات کے مطابق مدارسِ دینیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ قوم کو لیڈر، سیاستدان، جرنل، جج، وکیل، میڈیکل ڈاکٹر، محقق، سائنسدان، معاشی ماہر، آرٹیفیشل انٹیلی جنس یعنی مصنوعی ذہانت کا ماہر، گرافک ڈیزائنر، ویڈیو ایڈیٹر، ویب ڈیویلپر، کونٹنٹ رائٹر یعنی مواد تحریر کرنے والے، سرچ انجن آپٹی مائیزیشن کے ماہر، ٹریڈرز، کمپیوٹر پروگرامرز، کمپیوٹر گیمنگ ایکسپرٹ وغیرہ دیں۔ غرض ان تمام شعبوں کا ماہر بنانا دینی مدارس کا مقصد وموضوع ٹھہرا۔ دینی مدارس کا مقصد وموضوع نہ ٹھہرا تو وہ دینی علوم میں پختگی، علومِ کتاب وسنت کی افہام وتفہیم، تعلُّم و تعلیم، توضیح وتشریح، تعمیل واتباع اور تبلیغ ودعوت ہے! فإنا لله وإنا إليه راجعون.

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

عربی زبان وادب کے اصولِ تدریس وضوابط

مولانا ارشاد احمد سالارزئی
استاذِ جامعہ

تأثرات، گزارشات (پہلی قسط)

عربی زبان کی اہمیت وضرورت

اللہ تعالیٰ تمام کائنات اور زبانوں کا خالق ہے، اس نے اپنی کمالِ حکمت کے مطابق عربی کو اپنے محبوب دینِ اسلام، اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی آخری اَبدی کتاب قرآن حکیم کے لیے منتخب فرمایا ہے، اب یہ اسلام کے تمام چشموں کی محافظ اور امین ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی عبادت اور قرب ومناجات کا ذریعہ بنایا ہے۔ عربی کی یہ منفرد حیثیت اسے دوسری تمام زبانوں سے ممتاز کرتی ہے۔ اس طرح چشمۂ اسلام سے فیض یابی کے لیے عربی زبان کی مناسب تعلیم کے حصول کو ہر مسلمان کے لیے ضروری اور لازمی قرار دیا گیا ہے۔ یوں ہر باشعور مسلمان کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ بنیادی عربی زبان سیکھ کر قرآن کریم کو سمجھے اور اپنے محبوب دینِ اسلام کی بنیادی تعلیمات سے براہِ راست آگاہی کا شرف حاصل کرے، اور کم از کم اپنی نماز اور عبادت کے کلمات اور اذکار کو سمجھ کر ادا کرے اور اپنے خالق سے براہِ راست مناجات کا قرب حاصل کرے اور حتی المقدور ایمان کی لذت اور حلاوت حاصل کرے۔

عربی زبان کی اہمیت دینی اور دنیاوی دونوں مقاصد کے لیے ناگزیر ہے، چنانچہ حضرت علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ’’الغرض دینی علوم ہوں یا اسلامی تاریخ، وحی الٰہی کا منبع ہو یا تعلیم وتربیتِ نبوی کا سرچشمہ، اتحادِ اسلامی کا عظیم مقصد ہو، یا بین المملکتی سیاسی مفاد ومصالح، ہر لحاظ اور ہر حیثیت سے عربی زبان کی اہمیت سے انکار جنون کے مرادف ہے۔‘‘ (بصائر وعبر، ج:۱،ص:۲۴۰)

عربی زبان سیکھنے کے دو پہلو ہیں: ایک یہ کہ اتنی عربی سیکھی جائے جس سے انسان روزمرہ کی بول چال پر قادر ہو سکے، یہ ایک عام پہلو ہے جسے صرف ونحو سے ناواقف عام آدمی بھی چند ماہ میں سیکھ سکتا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ عربی زبان کے ادب ولغت کی مہارت، اور لسانی علوم وفنون سے واقفیت حاصل کی جائے، اس کے لیے ایک عرصہ درکار ہوتا ہے، یہ پہلو بہت کم افراد کے حصہ میں آتا ہے، چنانچہ حضرت بنوریؒ ان دونوں پہلوؤں پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عربی زبان سیکھنے کے لیے جہاں تک معمولی نوشت وخواند کا تعلق ہے، صرف تین چار ماہ کا عرصہ کافی ہے، ہاں! عربی زبان وادب کی مہارت اور لسانی علوم وفنون: صرف ونحو، معانی و بیان و بدیع، لغت و اشتقاق ومحاضرات، قرآنی اعجاز کے حقائق تک پہنچنا اس کے لیے تو بے شک عمریں درکار ہیں اور یہ مرحلہ اتنا مشکل ہے کہ اُمتِ محمدیہ کے مخصوص افراد کے حصہ میں بھی بمشکل ہی آتا ہے۔ مشہور ہے کہ قرآنی اعجاز کی نقاب کشائی امت میں صرف شیخ عبد القاہر جرجانی اور علامہ زمخشری ہی کر سکے ہیں، چنانچہ مشہور مقولہ ہے کہ:

''لم يدر إعجاز القرآن إلا الأعرجان.''

''قرآنی اعجاز کی دقیق معرفت تک دو ہی ہستیاں پہنچیں اور اتفاق دیکھئے کہ وہ دونوں اَعرج (لنگڑے) تھے۔''

ہمارے شیخ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ قدس اللہ سرہٗ اس پر ذیل کا جملہ اضافہ فرماتے ہیں: ''أحدهما من زمخشر والآخر من جرجان.''، ''ایک زمخشر کا رہنے والا ہے اور دوسرا جرجان کا۔''

اور فصیح عربی زبان کے مقابلہ میں عوامی بول چال کی عربی تو اور بھی آسان ہے، اس میں صرف ونحو کے قواعد کی پابندی نہیں کرنی پڑتی، اگر عربی کو عربی میں پڑھا جائے اور ذرا سی لکھنے کی مشق کرائی جائے تو چند ہفتوں میں اچھی خاصی عربی بول چال اور نوشت وخواند کی مہارت پیدا ہو جاتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اگر دین کی ضرورت پیش نظر ہو تب بھی عربی علوم سے استغنا ممکن نہیں اور اگر دنیا کے مصالح خصوصاً اقتصادی وسیاسی مفادات پیش نظر ہوں تب بھی عربی زبان وادب سے استغنا صحیح اور معقول نہیں۔'' (بصائر وعبر، ج:۱، ص:۲۴۲)

عربی زبان کی تعلیم وترویج

سرزمینِ پاکستان میں سینکڑوں ایسے مدارس ومعاہد وجود میں آئے ہیں جو عربی زبان کی تعلیم وترویج کے لیے کوشاں ہیں، کچھ مدارس نے درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد فضلاء کے لیے سالانہ دوروں اور تخصصات کا بھی آغاز کیا ہے جو ہمارے ملک میں عربی کی ترقی کے لیے خوش آئند بات ہے۔

ہمارے تعلیمی اداروں میں عربی زبان کی تعلیم وتدریس کے دوران کئی صورتوں میں اس کے عملی استعمال کی راہیں نکل سکتی ہیں، چنانچہ عربی زبان کو رائج کرنے کی چند آسان تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں، بطور مثال چند صورتیں درج ذیل ہیں:

①- ہماری نصابی کتابوں میں تمرین وتربیت کی مشقیں شامل کردی جائیں۔

②- اساتذہ بول چال اور تحریر کی مشقیں کرانے کا اہتمام کریں۔

③- عربی زبان پڑھانے کے لیے اداروں میں تشریح وتعلیم کے لیے تختۂ سیاہ کا استعمال لازم قرار دیا جائے۔

④- اداروں کے داخلی ماحول میں عربی بول چال کا ماحول پیدا کیا جائے۔

⑤- ہمارے اساتذہ بھی اپنے اسباق کے دوران کلاس میں ایسا عربی ماحول پیدا کریں، جس سے استاذ اور طلبہ کے درمیان باہمی گفتگو میں عربی زبان کے روزمرہ محاورے استعمال ہوں۔

⑥- اس طرح طلبہ کو صرف عربی الفاظ یا عبارتوں کا مقامی زبان اردو یا پشتو وغیرہ میں ترجمہ نہ کرایا جائے، بلکہ عربی الفاظ وعبارات کی قراءت کے بعد اس کے عملی استعمال کے مواقع فراہم کیے جائیں۔

یوں اپنے تمام اسباق اور تمام تعلیمی مراحل میں عربی زبان کو عملاً اور مسلسل رائج کریں۔ اس سے طلبہ وطالبات میں عربی جیسی آسان زبان کو بھی لکھنے اور بولنے کی غیر معمولی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔

ادبِ عربی کی تدریس کے مختلف طرق واَسالیب

ہمارے ہاں عربی ادب کی کتابوں کے مختلف طریقے رائج ہیں، بطور مثال یہاں ''القراءة الراشدة'' کے مختلف تدریسی طریقے لکھے جاتے ہیں، پھر ہر ایک پر گفتگو ہوگی۔

پہلا طریقہ

ایک طریقہ یہ ہے کہ استاذ ''القراءة الراشدة'' کے سبق کی عبارت خود پڑھے، اور طلبہ کو اس

کے الفاظ اور جملوں کا لفظی اردو ترجمہ بتائے، جسے وہ سنیں اور ذہن نشیں کریں، یا اسے کاپیوں میں نوٹ کریں۔ اس طرح تمام طلبہ اپنے معلم سے سبق کی عبارت کا لفظی اردو ترجمہ پڑھ کر اُسے یاد کرتے ہیں۔ ''القراءة الراشدة'' پڑھانے والے استاذ کے پاس اپنی تیاری کے لیے اس کتاب کی اردو شرح یا اس کا صرف اردو ترجمہ موجود ہو، جس سے آئندہ سبق کی تیاری کرے۔ اس طرزِ تدریس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ کو سبق کی عبارت کا صرف لفظی اردو ترجمہ سمجھ میں آجاتا ہے۔

دوسرا طریقہ

دوسرا طریقۂ تدریس یہ ہے کہ استاذ سبق کے آغاز میں تختۂ سیاہ پر مناسب اور خوبصورت خط سے سبق کے منتخب الفاظ کی تشریح لکھے، جس میں عربی افعال کے معانی اور ان کے ماضی، مضارع اور مصدر، نیز اسم مفرد کا معنی اور جمع، اور جمع اسم کا معنی اور مفرد وغیرہ۔ طلبہ الفاظ کی اس تشریح کو اپنی کاپیوں میں نقل کر کے اسے یاد کر لیتے ہیں۔ بعد ازاں استاذ سبق کی تدریس اس طرح کرتا ہے کہ ایک طالب علم سبق کی عبارت پڑھتا ہے اور استاذ اس کا اردو ترجمہ کرتا جاتا ہے۔ یوں پہلے سبق مکمل کیا جاتا ہے اور طلبہ سبق کی عبارت کا اُردو ترجمہ آسانی سے سمجھ جاتے ہیں، اور مختلف عربی الفاظ کی تشریح سے واقف ہوتے ہیں۔ اس طریقۂ تدریس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ سبق کی عبارت کا اردو ترجمہ اور الفاظ کی تشریح سمجھنے کے قابل ہوتے ہیں۔

تیسرا طریقہ

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ استاذ اور ہر طالب علم کے پاس ''القراءة الراشدة'' کی ''كراسة الواجب'' موجود ہو۔ وہ اس ''كراسة الواجب'' کے مطابق سبق کے آغاز میں بورڈ پر سبز مارکر سے منتخب الفاظ کے معنی اور تشریح لکھے، جسے ہر طالب علم بلند آواز سے پڑھے، اور اس کے صحیح تلفظ کی مشق کرے۔ اس کے بعد وہ اسے اپنی کاپی میں درج کر لے۔

اس کے بعد استاذ عربی میں کہے: ''الآن بدأ الدرس، الآن نبدأ الدرس.'' اور سبق کی تدریس شروع ہو جائے، تو سبق کو استاذ خود نہ پڑھے، بلکہ اسے باری باری مختلف طلبہ سے پڑھوائے، اور استاذ اس کا بامحاورہ اردو ترجمہ بتاتا رہے۔ پھر وقتاً فوقتاً طلبہ کو مناسب ہدایات دیتے ہوئے عربی بولے، مثلاً: ''الآن اقرأ أنت ياخالد!، الآن اقرأ أنت يا حمزة!'' اور کسی طالب علم کے اچھے نطق پر ''أحسنت! بارك الله فيك'' اور کسی سے غلطی سرزد ہونے پر ''لا، يا عبدَالرحمٰن'' اور سبق کے اختتام پر ''الآن انتهى الدرس، الآن انتهت الحصة'' وغیرہ۔ نیز استاذ طلبہ کو جملوں کا لفظی ترجمہ

سکھانے کے بجائے ان کا بامحاورہ ترجمہ بتائے۔ اس طرح استاذ پہلے سبق کی تدریس مکمل کرلے۔

پھر طلبہ کو ''کراسة الواجب'' کے مطابق اس سبق پر عربی میں بول چال کی مشق کرائے، جو دو مشقوں پر مشتمل ہو۔ پہلی مشق میں سبق کے مضمون کے بارے میں عربی زبان میں چھوٹے چھوٹے سوال دے۔ استاذ ایک سوال بولے تو طلبہ اس کا جواب دیں۔ اگر طلبہ کا جواب غلط یا ناقص ہو تو استاذ اُسے درست کرائے۔ دوسری مشق میں سبق کے بارے میں لکھے ہوئے جملوں میں خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کرنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔

عربی بول چال کی ان دونوں مشقوں کو طلبہ دو بار زبانی اور تحریری دونوں طرح حل کرلیں؛ پہلے کلاس میں اپنے استاذ کی نگرانی میں زبانی حل کریں، اور پھر انہیں اپنی کاپیوں میں تحریری طور پر حل کر کے لائیں اور استاذ اس کی حسبِ ضرورت تصحیح کرتا رہے۔

اس طریقۂ تدریس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ سبق کی عبارت کا بامحاورہ اردو ترجمہ سیکھ جاتے ہیں اور مختلف عربی الفاظ کی لغوی تشریح کے ساتھ ان کے تلفظ کی صحت سیکھتے ہوئے روزمرہ کی ابتدائی عربی زبان کو سمجھنے، لکھنے اور بولنے لگتے ہیں؛ کیونکہ انہیں عربی لکھنے اور بولنے کا اچھا ماحول میسر آیا ہے۔

چوتھا طریقہ

بعض مدارس میں عربی سکھانے کے لیے تصاویر پر مشتمل کتب پڑھائی جاتی ہیں، جن کتابوں میں جاندار کی تصاویر نقش ہوں ان کا پڑھانا درست نہیں، تاہم صرف بے جان چیزوں کی تصاویر کی گنجائش ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہو کہ ایسی کتابیں جو تصاویر والی ہوں، چونکہ ہر چیز کی تصویر کے ساتھ اس کا عربی نام لکھا ہوا ہوتا ہے؛ اس لیے اس میں الفاظ کا اردو ترجمہ نہ کرایا جائے، بلکہ ہر چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کا عربی نام پڑھنے کی مشق کرائی جائے، اور اگر طالب علم سے کسی اسم کی خواندگی میں تلفظ کی غلطی واقع ہو تو اُسے درست کرایا جائے۔ اگرچہ کلاس کے طلبہ بالکل نئے ہوں اور پہلے دن عربی زبان پڑھنے لگے ہوں، اس کے باوجود انہیں سبق براہِ راست عربی میں پڑھنا آجائے اور بولنے کی مشق کرائی جائے۔ تمام طلبہ کو ضروری ہدایات بھی عربی میں دی جائیں، اور جہاں دِقت پیش آئے، اشارے سے کام لیا جائے۔

اس کے بعد پہلا سبق ختم ہوجائے تو استاذ انہیں کسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ''ما هٰذا؟'' سے سوال کرنا سکھادے، اور اس کا جواب بھی ''هٰذا قلم'' وغیرہ سمجھا دیا جائے۔ اس کے علاوہ ایک اہم اضافی مشق یعنی کسی شخص کے بارے میں سوال کرتے ہوئے ''من هٰذا؟'' اور اس کا جواب بھی سکھا دیا

جائے، اور اس کے لیے کلاس کے طلبہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ''من هٰذا؟ هٰذا أكرم، من هٰذا؟ هٰذا جميل الرحمٰن''، وغیرہ کی مشق کرادی جائے، اور اس نہج کو جاری رکھتے ہوئے سبق کی تینوں مشقیں بھی حل کرادی ہیں۔

یوں یہ نو وارد طلبہ پہلے سبق میں ہی اٹھارہ بیس چیزوں کے عربی نام سیکھ لیں گے، اور ان کے بارے میں سوال و جواب کی مشق بھی ہوجائے گی، اور مجموعی طور پر پہلے ہی دن ''هٰذا ...، هٰذا ...'' کی طرح کے تیس سے زیادہ عربی جملے فرفر بول سکیں گے۔ پھر استاذ طلبہ کو ہدایت دے کہ وہ کل ان مشقوں کو اپنی کاپیوں میں تحریر کر کے لائیں۔

اس طرزِ تدریس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ طلبہ سبق کے جملوں کو براہِ راست سمجھنے کے علاوہ انہیں بار بار پڑھنے بولنے اور لکھنے کے قابل ہوجائیں گے، اور ان کے تلفظ کی تصحیح بھی کر چکے ہوں گے؛ کیونکہ انہیں خالص عربی ماحول میں بول چال کی مشق کرنے کا موقع میسر آ گیا ہوگا۔

ادبِ عربی کا معیاری طریقۂ تدریس

گزشتہ سطور میں بنیادی عربی زبان کی تعلیم و تدریس کے جن چار مختلف طریقوں کا ذکر کیا گیا ہے، آپ غور کر کے دیکھیں کہ تدریس کا پہلا طریقہ بالکل سادہ ہے، اور اس میں عربی عبارت کا صرف لفظی اردو ترجمہ سکھایا جاتا ہے، جس سے طلبہ کو ادبی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

دوسرے طریقے میں اردو ترجمہ کے ساتھ منتخب الفاظ کی تشریح سکھائی جاتی ہے، جبکہ تیسرا طریقۂ تدریس کئی طرح کی محنت اور منصوبہ بندی سے تیار کیا جاتا ہے اور اس سے پانچ فوائد حاصل ہوتے ہیں: ①- بامحاورہ اردو ترجمہ، ②- الفاظ کی تشریح، ③- نطق کی تصحیح، ④- عبارت کا مکمل فہم اور ⑤- عربی لکھنے بولنے کی استعداد۔

اسی طرح چوتھا طریقۂ تدریس بھی بڑی مہارت اور توجہ سے تیار کیا گیا ہے۔ یہ کسی زبان کی تدریس کا سب سے زیادہ مؤثر اور نہایت کامیاب طریقۂ تدریس ہے، اور تمام مقاصد اور فوائد کی تکمیل کرتا ہے۔ اس سے طلبہ کو اردو ترجمہ کے بجائے براہِ راست عربی زبان میں غور و فکر کرتے ہوئے اسے پڑھنے لکھنے اور بولنے کی مہارت حاصل ہوجاتی ہے۔ (جاری ہے)

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

۲۷ رجب کی تاریخ میں شبِ معراج کا ثبوت

ادارہ

سوال

کیا ۲۷ رجب المرجب کو شبِ معراج ثابت ہے؟

جواب

شبِ معراج کے متعلق دو باتیں الگ الگ ہیں: پہلی بات نفسِ معراج کا ثبوت ہے۔ یہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے، اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں۔ دوسری بات شبِ معراج کی تاریخ کی ہے، اس کے بارے میں مؤرخین سے مختلف اقوال منقول ہیں: بعض نے ربیع الاول، بعض نے ربیع الآخر، بعض نے رجب، بعض نے رمضان، بعض نے شوال کے مہینے میں شبِ معراج قرار دی ہے۔

لہٰذا صورتِ مسؤلہ میں ۲۷ رجب کو حتمی طور پر شبِ معراج کہنا درست نہیں۔

''المواهب اللدنّية بالمنح المحمّديّة''میں ہے:

''وأما ليلة الإسراء فلم يأت في أرجحية العمل فيها حديث صحيح ولاضعيف. ولذٰلك لم يعينها النبي- صلى الله عليه وسلم- لأصحابه، ولا عينها أحد من الصحابة بإسناد صحيح.''

(المقصد الخامس: الإسراء والمعراج :ج:۲، ص:٤٣١، ط: التوفيقية القاهرة)

''احسن الفتاویٰ''میں ہے:

''۲۷ رجب کو یقینی طور پر شبِ معراج قرار دینا سراسر غلط ہے، اس میں کئی قسم کے بہت سے

اختلافات ہیں، صرف تاریخ میں نہیں، بلکہ مبدأ میں، سال میں، مہینے میں، تاریخ میں، دن میں، ہر ایک میں کئی قسم کے اختلافات ہیں۔'' (''احسن الفتاویٰ''، تحقیق شبِ معراج، ج:۱۰،ص:۰۷، الحجاز، کراچی)

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 144307102240 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

آپ ﷺ کا سفرِ معراج جسمانی تھا یا روحانی؟

سوال

کیا حضورِ پاک ﷺ کی معراج روحانی تھی؟ اس کے متعلق علمائے دیوبند کا عقیدہ بھی واضح فرمائیں!

جواب

جمہور محققین علماء کرام کے نزدیک آپ ﷺ کی معراج کا سفر جسمانی تھا، بعض آثار سے جو روحانی معراج کا معلوم ہوتا ہے، اس میں علماء نے یہ تطبیق دی ہے کہ آپ ﷺ کو روحانی معراج بھی ہوئی ہے اور جسمانی بھی ہوئی ہے، اور جو قرآن میں معراج کا مشہور واقعہ ہے، اس میں جمہور صحابہؓ اور تابعینؒ کی رائے اور راجح قول یہی ہے کہ یہ سفر بیداری کی حالت میں جسمانی ہوا ہے، اہلِ سنت والجماعت اور علماء دیوبند کا یہی موقف ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ''نشر الطیب'' میں لکھتے ہیں:

''تحقیقِ سوم: ......جمہور اہلِ سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ معراج بیداری میں جسد کے ساتھ ہوئی اور دلیل اس کی اجماع ہے۔'' (نشر الطیب، ص:۸۰، مطبوعہ: سہارنپور)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''حضور ﷺ اپنے جسمِ مبارک کے ساتھ معراج میں تشریف لے گئے تھے، اس لیے آپ کی معراج جسمانی تھی۔ ہاں! اس جسمانی معراج کے علاوہ چند مرتبہ حضور ﷺ کو خواب میں بھی معراج ہوئی ہے، وہ منامی معراجیں کہلاتی ہیں؛ کیوں کہ ''منام'' خواب کو کہتے ہیں، لیکن حضور ﷺ کا خواب اور اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں، ان میں غلطی اور خطا کا شُبہ نہیں ہوسکتا۔ پس حضور ﷺ کی ایک معراج تو جسمانی معراج تھی اور چار یا پانچ

معراجیں منامی تھیں۔‘‘ (تعلیم الاسلام)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

’’قرآنِ مجید کے ارشادات اور احادیثِ متواترہ سے جن کا ذکر آگے آتا ہے‘ ثابت ہے کہ اسراء ومعراج کا تمام سفر صرف روحانی نہیں تھا، بلکہ جسمانی تھا، جیسے عام انسان سفر کرتے ہیں، قرآنِ کریم کے پہلے ہی لفظ ’’سُبْحٰنَ ‘‘ میں اس طرف اشارہ موجود ہے؛ کیوں کہ یہ لفظ تعجب اور کسی عظیم الشان امر کے لیے استعمال ہوتا ہے، اگر معراج صرف روحانی بطورِ خواب کے ہوتی تو اس میں کون سی عجیب بات ہے! خواب تو ہر مسلمان، بلکہ ہر انسان دیکھ سکتا ہے کہ میں آسمان پر گیا، فلاں فلاں کام کیے۔ دوسرا اشارہ لفظ ’’عَبْد‘‘ سے اسی طرف ہے؛ کیوں کہ ’’عَبْد‘‘ صرف روح نہیں، بلکہ جسم وروح کے مجموعہ کا نام ہے، الخ۔‘‘ (معارف القرآن، ج:۵،ص:۴۳۸)

اور علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ ’’الروض الأنف شرح سیرت ابن هشام‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’مہلب نے شرح بخاری میں اہلِ علم کی ایک جماعت کا قول نقل کیا ہے کہ معراج دو مرتبہ ہوئی: ایک مرتبہ خواب میں، دوسری مرتبہ بیداری میں جسد شریف کے ساتھ۔‘‘

(الروض الأنف، ج:۱، ص:۲٤٤)

اس سے معلوم ہوا کہ جن حضرات نے یہ فرمایا کہ معراج خواب میں ہوئی تھی، انہوں نے پہلے واقعہ کے بارے میں کہا ہے، ورنہ دوسرا واقعہ جو قرآنِ کریم اور احادیثِ متواترہ میں مذکور ہے، وہ بلاشبہ بیداری کا واقعہ ہے اور جسمانی طور پر ہوا ہے، یہی اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 144004201368 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

شبِ براءت اور شبِ معراج اور طاق راتوں میں جاگنے کھانے پکانے، اور بیان کرنے کا حکم

سوال

جس طرح آج کل شبِ براءت اور شبِ معراج اور طاق راتوں میں جاگنے اور کھانے پکانے اور

بیانوں کا سلسلہ ہے، ہر سال لازمی کرنا اس کو ضروری سمجھتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب

صورتِ مسئولہ میں شبِ براءت، شبِ معراج، اور طاق راتوں سے متعلق الگ الگ جواب لکھا جاتا ہے:

شبِ براءت

واضح رہے کہ شبِ براءت کی فضیلت اور اہمیت اور اس میں عبادت کرنا ثابت ہے، اور پندرہ شعبان کا روزہ رکھنا مستحب ہے، البتہ اس دن میں خاص طور پر کھانے پینے کی اشیاء بنانا اور تقسیم کرنا چوں کہ ثابت نہیں؛ اس لیے اس کا اہتمام والتزام کرنا (ثواب کا باعث سمجھنا، اور نہ کرنے والوں کو اچھا نہ سمجھنا) بدعت ہے۔ اگر مقصود مرحومین کو ایصالِ ثواب کرنا ہو تو اس کے لیے کسی مہینے یا دن کا انتظار نہیں کرنا چاہیے، بلکہ کسی بھی دن جو میسر ہو صدقہ کر کے اس کا ثواب بخش دیا جائے، معروف دن میں نہ کرے۔

شبِ معراج

اس طرح شبِ معراج میں بھی خصوصیت کے ساتھ جاگنے کو لازم سمجھنا، اور اس میں کھانے پکانے کا اہتمام کرنا اور نہ کرنے والوں کو برا کہنا اور سمجھنا، یہ سب امور بدعت کے زمرے میں آتے ہیں، اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

طاق راتوں میں جاگنا

رمضان کی طاق راتوں میں اجتماعی طور پر عبادت، دعاء، بیان، ذکر و تلاوت وغیرہ کا اہتمام والتزام کرنا درست نہیں، ان راتوں میں انفرادی طور پر کثرت سے عبادت کرنی چاہیے، کیونکہ یہ اعمال ازقبیلِ نوافل ہیں، رسول اللہ ﷺ ان نمازوں کے علاوہ جن کا باجماعت ادا کرنا ثابت ہے، دیگر عبادات نوافل وغیرہ سخت مجبوری کے باوجود گھر میں ادا کرتے تھے، البتہ اگر مسجد میں عبادت، تلاوت وغیرہ کا اہتمام نہیں کیا گیا، بلکہ اتفاقاً لوگ مسجد میں آ کر تلاوتِ قرآن، نماز اور ذکر کرنے لگیں تو اس کی گنجائش ہے، البتہ گھر میں ان اعمال کا کرنا زیادہ ثواب کا کام ہے۔

بیانات

بیانات کے بارے میں حکم یہ ہے کہ بیانات کو ان راتوں کا حصہ سمجھنا یا اس طرح کے مواقع پر سنت

قرار دینا یا شرکت نہ کرنے والوں کو ملامت کرنا غلط ہے، اس صورت میں یہ عمل بجائے ثواب کے بدعت کے زمرے میں داخل ہوسکتا ہے، البتہ ان طاق راتوں میں بیانات کو اگر سنت یا لازم نہ سمجھا جائے اور کسی قسم کی بدعات نہ ہوں تو جائز ہے۔

''مشکاۃ المصابیح''میں ہے:

''إياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة.''رواه أحمد.'' (کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، ج:۱، ص: ۵۸، ط: دار المعرفة)

فتاویٰ شامی (باب صلاۃ المریض) میں ہے:

''وكل مباح يؤدي إلي السنة أو الواجب، فمكروه.''(ج:۲،ص:۱۰۵،ط:سعید)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''اس شب کے لیے خصوصی نوافل کا اہتمام کہیں ثابت نہیں، نہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے، نہ تابعین عظام رحمہم اللہ نے کیا۔ علامہ حلبی تلمیذ شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے غنية المستملي، ص:۴۱۱ میں، علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج:۲،ص:۵۶، میں، علامہ طحطاویؒ نے مراقي الفلاح، ص:۲۲ میں اس رواج پر نکیر فرمائی ہے اور اس کے متعلق جو فضائل نقل کرتے ہیں، ان کو رد کیا ہے۔''

(فتاویٰ محمودیہ، ج:۳،ص:۲۸۴، ادارۃ الفاروق، کراچی)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ماہِ رجب میں تاریخِ مذکورہ میں روزہ رکھنے کی فضیلت پر بعض روایات وارد ہوئی ہیں، لیکن وہ روایات محدثین کے نزدیک درجۂ صحت کو نہیں پہنچیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ماثبت بالسنة'' میں ذکر کیا ہے۔ بعض بہت ضعیف ہیں اور بعض موضوع (من گھڑت) ہیں۔'' (فتاویٰ محمودیہ، ج:۳،ص:۲۸۱، ادارۃ الفاروق، کراچی)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''۲۷ رجب کے روزہ کا کوئی ثبوت نہیں۔'' (سات مسائل، صفحہ:۵)

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر:144507101599 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

نقد و نظر

ادارہ

مولانا سمیع الحق شہیدؒ، تذکرہ وسوانح ، حیات وخدمات (تیسری جلد)

مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب۔صفحات: ۱۶۰۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہؓ ،خالق آباد،نوشہرہ،خیبر پختون خواہ

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ ہمہ جہت شخصیت تھے،ان کے عملی میدان کی جس جہت کو بھی لیا جائے، وہ اس میں مردِ میدان، مردِ حُر، بلکہ قیادت وسیادت کرتے نظر آتے ہیں۔ان کی حیات مستعار علمی و عملی جدو جہد سے بھرپور نظر آتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جزائے خیر دے حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ العالی کو کہ وہ حضرت موصوف کی حیات وخدمات اور تذکرہ وسوانح پر اس سے پہلے دو عظیم جلدیں مرتب کر کے منصۂ شہود پر لا چکے ہیں، یہ اس سلسلہ کی تیسری کڑی ہے، جسے مولانا راشد الحق سمیع حقانی اور مولانا محمد عماد الدین صاحبان نے مرتب کیا ہے۔اس میں اکثر واقعات وحالات وہ ہیں جو بالواسطہ یا بلا واسطہ حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی سے متعلق ہیں اور ان کی فکر وسوچ سے اخذ کردہ ہیں۔

اس جلد میں باب:۲۲ سے باب:۳۶ تک کے ابواب بنائے گئے ہیں، مثلاً: باب ۲۲: محبت وشفقت کا متلاطم سمندر، ہمہ جہتی جامع الصفات شخصیت،تواضع وفنائیت، سادگی ونرم خوئی،حزم واحتیاط اور مکارمِ اخلاق۔ باب ۲۳:علمی وعملی زندگی کا کامیاب لائحہ عمل،مثبت پہلو شخصیت، کارکنوں کی حوصلہ افزائیاں، صبر وتحمل اور برداشت کا پہاڑ۔ باب ۲۴: مکام اخلاق کی رعنائی، دل ربائی۔ باب ۲۵: حقانی مشائخ واساتذہ کا تذکرہ، ملت کے مسیحا، اصاغر نوازی، اعتماد کی معراج، نو وارد مصنفین کی تشجیعات وتحسینات۔ باب ۲۶: حکایات،مشاہدات اور تأثرات۔ باب ۲۷: مولانا سمیع الحق شہید تفسیری کارنامہ۔ باب ۲۸: ایوانِ اقتدار میں حق کی آواز،شریعت بل کا معرکہ پاکستانی تاریخ کا روشن باب۔ باب ۲۹: جہاد، استقامت وعزیمت، صلیبی دہشت گردی کے خلاف مولانا شہید کا مرحلہ وار جہاد۔ باب ۳۰: مولانا سمیع الحق شہیدؒ کو خلعت خونِ شہادت پہنانے کی تقریب۔ باب ۳۱: پندرہویں صدی میں اسلام کا اعجاز، طالبان دو سپر پاورز کے فاتحین۔ باب ۳۲: قافلۂ علم وجہاد۔ باب ۳۳: مجاہد کی اذان۔ باب ۳۴: مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا روحانی مقام۔ باب ۳۵: سانحۂ

شہادت۔ باب ۳۶: شہید ناموسِ رسالت کا بارگاہِ الوہیت میں حاضری کا منظر۔

ماشاء اللہ! مکمل کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ کتاب کا کاغذ مناسب، جلد مضبوط اور طباعت عمدہ ہے۔ القاسم اکیڈمی کے کارپردازان اس سوغاتِ علمی کو منصۂ شہود پر لانے کی بنا پر ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں۔

مظهر السياسة الإسلامية في ضوء الأربعين من الأحاديث النبوية

سیاست کے اصول واحکام پر مشتمل چالیس احادیث کا جامع مجموعہ

مفتی شیر محمد علوی۔ زیرنگرانی شیخ الحدیث مفتی سید محمد مظہر اسعدی۔ صفحات: ۱۱۶۔ قیمت۔ درج نہیں۔
ناشر: مرکز الامام سیدنا زید بن علیؒ، آمنہ مسجد، گلستان فیصل، نزد اسٹیل مل چورنگی، نیشنل ہائی وے، کراچی۔

زیرِتبصرہ کتابچہ اس لحاظ سے منفرد خصوصیت کا حامل ہے کہ مرتب نے اس میں سیاستِ اسلامیہ کے مختلف عنوانات پر احادیث مبارکہ کا ذخیرہ جو مختلف مآخذ میں منتشر تھا یکجا کر دیا ہے، چنانچہ سیاست کے اصول واحکام پر مشتمل یہ چالیس احادیث کا جامع مجموعہ ہے، جسے میں دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے، حصہ اول: اصولِ سیاست، حصہ دوم: تشکیلِ سیاست اور حصہ سوم: نظام حکومت پر مشتمل ہے، اور پھر ہر حصہ کے تحت ابواب اور ان کے تحت احادیث اور ان سے مستنبط ہونے والے اصول اور احکام کے علاوہ تاریخ سے ثابت شدہ باتوں کو مظاہر کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔

اربابِ سیاست کے علاوہ اعوان وارکانِ سیاست کے لیے یہ خاصے کی شئے ہے۔ امید ہے باذوق حضرات اس کی پذیرائی فرمائیں گے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....